سورۃ الطلاق

۶۵۔الطلاق

نام اس سورہ میں طلاق کے احکام بیان ہوئے ہیں۔اس مناسبت سے اس کا نام "**الطلاق**" ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور غالباً سنہ ۶ ھ میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون طلاق کے احکام کا بیان۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۷ میں طلاق کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔
آیت ۸ تا ۱۲ میں مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے احکام سے سرتابی نہ کریں۔اور یاد رکھیں کہ نافرمانی کرنے والی قوموں کا کیا حشر ہوا۔
بہ الفاظ دیگر اسلام کے عائلی قانون(Family Laws) کی پابندی کے لئے یہ سخت تاکیدی حکم ہے۔

سُوۡرَةُ الطَّلَاقِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحۡصُوا
الۡعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡۢ بُيُوۡتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ
اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ
حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ لَا تَدۡرِىۡ لَعَلَّ
اللّٰهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا ﴿۱﴾

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ
بِمَعۡرُوۡفٍ وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ
يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ
يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ‏ ﴿۲﴾

وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا ﴿۳﴾

وَالّٰٓـئِىۡ يَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِيۡضِ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ
ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ وَّالّٰٓـئِىۡ لَمۡ يَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ يَّضَعۡنَ
حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ يُسۡرًا ﴿۴﴾

۶۵-سُوۡرَةُ الطَّلَاقِ

آیات:۱۲

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

[۱] اے نبی! جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کیلئے طلاق دو ۱؎۔ اور عدت کا شمار کرو ۲؎۔ اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے ۳؎۔ ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الا یہ کہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں ۴؎۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا ۵؎۔ تم نہیں جانتے شاید اللہ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کردے۔ ۶؎

[۲] پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو انہیں یا تو معروف طریقہ پر (اپنے نکاح میں) روک لو یا معروف طریقہ پر جدا کردو ۷؎۔ اور اپنے میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنالو ۸؎۔ اور گواہی اللہ کیلئے قائم رکھو ۹؎۔ یہ نصیحت ان کو کی جاتی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ۱۰؎۔ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا۔ ۱۱؎

[۳] اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا ۱۲؎۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اس کیلئے کافی ہوگا۔ ۱۳؎ اللہ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے۔ ۱۴؎

[۴] اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہوچکی ہوں ان کے بارے میں اگر کوئی شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے ۱۵؎۔ اور ان کی بھی جن کو حیض نہ آیا ہو ۱۶؎۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وضعِ حمل ہوجائے ۱۷؎۔ جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے معاملہ میں آسانی پیدا فرمائے گا۔ ۱۸؎

ا۔ آغاز میں نبی ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے اوراس کے متصلاً بعد اہلِ ایمان سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ جب تم لوگ طلاق دو تو عدت کے لئے دو۔ یہ طرزِ خطاب اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ حکم ایسا تاکیدی ہے کہ نبی کی شخصیت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، اور آپ کے واسطہ سے یہ حکم پوری امت کو دیا جارہا ہے۔ جب طلاق دینے کا یہ حکم کہ عدت کے لئے طلاق دو اس تاکید کے ساتھ دیا گیا ہے، تو اس سے انحراف کر کے طلاق دینے کے کسی دوسرے طریقہ کو اختیار کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

طَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ''عدت کے لئے طلاق دو'' کا مطلب یہ ہے کہ طلاق ایسے وقت دو جب عدت کا آغاز کرسکو۔ یہ منشا اسی صورت میں پورا ہوسکتا ہے جب آدمی بیک وقت ایک طلاق دے، تاکہ اس طلاق کی عدت کا آغاز ہو۔ اور جب وہ عدت پوری ہوجائے تو وہ عورت مرد سے جدا ہوجائے گی، لیکن دوبارہ نکاح کا موقع رہے گا۔ اور اگر عدت کے دوران شوہر نے رجوع کرلیا تو پھر اس کے لئے یہ موقع رہے گا کہ آئندہ کبھی ضرورت محسوس کرے تو دوسری طلاق دے، اور اس کی عدت کے دوران بھی اسے رجوع کا حق رہے گا۔ اگر وہ رجوع کرلیتا ہے تو بیوی اس کے نکاح میں رہے گی۔ اس کے بعد اگر اس نے آئندہ کسی موقع پر تیسری طلاق دی تو عورت کو عدت گزارنا ہوگی۔ لیکن شوہر کو اب رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا اور یہ طلاق مغلظہ (Absolute) ہوجائے گی۔

طلاق کا یہی طریقہ ہے جس کی کتاب وسنت میں تعلیم دی گئی ہے اور جس کی تاکید کی گئی ہے۔ رہا بیک وقت تین طلاقیں دینے کا مسئلہ تو یہ طریقہ سراسر کتاب وسنت کے خلاف اور بدعی ہے۔ ایسی صورت میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے نہ کہ تین۔ کیونکہ شریعت نے عدت کے لئے طلاق دینے کا اختیار دیا ہے۔ لہٰذا پہلی طلاق کا آغاز تو عدت سے ہوگا، لیکن دوسری اور تیسری طلاق کا آغاز عدت سے نہیں ہوسکے گا۔ جبکہ ہر طلاق کے لئے الگ سے عدت کا آغاز ہونا ضروری ہے لہٰذا ایک سے زائد طلاقیں لغو اور باطل قرار پائیں گی، کیونکہ ایسی طلاقیں دینے کا شریعت نے اسے اختیار ہی نہیں دیا ہے۔ اور غور کیجئے تو ہر طلاق کے لئے عدت کی قید میں شریعت کی بہت بڑی مصلحت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر کو نظر ثانی کرنے کا موقع ملے اور اسے رجوع کے دو مواقع حاصل ہوں۔

مختصر یہ کہ یہ آیت اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ ہر طلاق کے لئے عدت کا آغاز ہونا ضروری ہے، جس طلاق کے لئے عدت کا آغاز نہ ہوا ہو، وہ طلاق شرعاً معتبر نہیں ہے۔ رہی تین طُہر میں تین طلاقیں دینے کی بات تو وہ نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ کسی صحیح حدیث سے:

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وامامن اخذ بمقتضی القرآن ومادلت علیه الاثارفانه یقول ان الطلاق الذی شرعه الله هومایتعقبه العدة : وماکان صاحبه مخیرافیهابین الامساکِ بمعروف والتسریح باحسان : وهذامنتف فی ایقاع الثلاث فی العدة قبل الرجعة ،فلایکون جائز فلم یکن ذلک طلاق للعدة۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۳ ص ۷۹)

''قرآن جس بات کا متقاضی ہے اور آثار (احادیث) جس پر دلالت کرتے ہیں، اس کو جن لوگوں نے پیش نظر رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ جس طلاق کو اللہ نے مشروع قرار دیا ہے وہ وہی طلاق ہے، جس کے ساتھ عدت کا آغاز ہوتا ہو اور طلاق دینے والا معروف کے مطابق بیوی کو رکھ لینے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینے کا اختیار رکھتا ہو۔ اور اس سے عدت میں رجوع کرنے سے پہلے تین طلاقوں کے ایقاع کی نفی ہوتی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں اور ایسی طلاق عدت کیلئے نہیں ہوگی۔''

مسند احمد کے شارح احمد محمد شاکر نے اپنی کتاب نظام الطلاق فی الاسلام میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ:

ولذالک اوردت الادلة التی ذکرتھا والتی نقلتھا عن غیری فی معرض احتجاج علی بطلان الطلقتین التالیتین للطلقة الاولی فی العدة۔ وعلی ان الطلاق لایلحق الطلاق وعلی ان المعتدة لایلحقھا طلاق۔ (نظام الطلاق فی الاسلام لاحمد شاکر مطبعة النھضة بمصر۔ص ۱۱۳)

''اس لئے میں نے اپنے دلائل بھی بیان کئے اور دوسروں سے بھی نقل کئے اس بات کے استدلال میں کہ عدت میں پہلی طلاق کے بعد دو طلاقیں باطل ہیں اور یہ کہ ایک طلاق سے دوسری طلاق لاحق نہیں ہوتی اور یہ کہ عدت گزارنے والی عورت کو کوئی (دوسری) طلاق لاحق نہیں ہوتی۔''

مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے ساتھ جو عدت شروع ہوئی اس میں کوئی دوسری طلاق پڑ نہیں سکتی، کیونکہ ہر طلاق کے لئے ایک عدت کا ہونا ضروری ہے۔

مولانا محمد رئیس ندوی اپنی محققانہ کتاب تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق (مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس) میں لکھتے ہیں:

'' یعنی جب طلاق کے لئے طہر کا وقت خاص ہے اور اس وقتِ خاص میں ایک مرتبہ صرف ایک ہی طلاق کی اجازت ہے، تو اگر اس وقتِ خاص میں ایک سے زیادہ طلاقیں دی جائیں تو زائد طلاقیں باطل اور صرف وہی ایک طلاق واقع ہوگی جس کی شرعاً اجازت ہے۔'' (ص ۳۱۵)

آیت کا جو مفہوم ہم نے بیان کیا ہے علماء کی ان آراء سے اس کی تائید ہوتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ آیت کا ہم نے کوئی نرالا مفہوم بیان نہیں کیا ہے۔ بلکہ ہم سے پہلے محقق علماء یہ مفہوم بیان کرتے رہے ہیں۔ یعنی ہر طلاق کے لئے الگ عدت ضروری ہے اور ایک عدت میں دوسری اور تیسری طلاق نہیں دی جاسکتی۔ لہٰذا اکٹھی تین طلاقیں شرعاً ایک ہی طلاق کے حکم میں ہیں کیونکہ واقع صرف ایک طلاق ہوئی، دوسری اور تیسری طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوئی۔ مگر جمہور علماء و فقہاء تین اکٹھی طلاقوں کے واقع ہونے کے قائل ہیں۔ وہ اس کو حرام اور بدعی طلاق مانتے ہوئے بھی نافذ قرار دیتے ہیں۔ مگر جمہور دین میں حجت نہیں ہیں، حجت صرف کتاب و سنت کے نصوص (صریح احکام) اور ان کے دلائل ہیں۔ اسلام میں جمہور سے بھی نزاع کا حق ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (نساء:۵۹)

''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ (یعنی اس کی کتاب) اور رسول (یعنی اس کی سنت) کی طرف لوٹاؤ۔''

اور جمہور کے قول کو اجماع سے تعبیر کرنا سراسر غلط اور خلافِ واقعہ بات ہے۔

موجودہ زمانہ میں اور خاص طور سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بیک وقت تین طلاقیں دینے کا رواج عام ہے۔ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ تین طلاقیں دئے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ یہ ان کی جہالت ہے۔ لیکن وکلاء اور قاضی بھی جب کوئی طلاق نامہ تحریر کرتے ہیں تو تین طلاقیں درج کر کے طلاق دینے والے کے اس پر دستخط لے لیتے ہیں اور اس کو نہیں معلوم کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور غلط طریقہ کیا۔ پھر جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور وہ شخص رجوع کرنا چاہتا ہے تو مفتی حضرات جو تقلید کی قسم کھا بیٹھے ہیں بتاتے ہیں کہ اب رجوع کی کوئی صورت نہیں رہی سوائے حلالہ کرانے کے، حالانکہ حلالہ کرانے پر لعنت آئی ہے۔ اس طرح عوام طلاق کے معاملہ میں سخت الجھن اور زبردست مشکلات سے دوچار ہو رہے ہیں اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ کتاب و سنت کے واضح نصوص (احکام) کے مطابق ان کی رہنمائی کی جائے اور وہ مسلک کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو کر اس رہنمائی کو قبول کریں۔

(اس مسئلہ پر تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارا پمفلٹ ''اکٹھی تین طلاقیں''۔ کتاب و سنت کی روشنی میں)

آیت سے یہ بات بھی واضح ہے کہ طلاق حالتِ **طُہر** ہی میں دی جاسکتی ہے یعنی جب کہ بیوی کو حیض نہ آیا ہو اور حالتِ **طہر** میں شوہر نے مباشرت

نہ کی ہو کیونکہ حالتِ حیض میں طلاق دینے سے عدت کا شمار صحیح نہیں ہو سکے گا اور مباشرت کی صورت میں احتمال ہوگا کہ کہیں حمل تو نہیں ٹھہر گیا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ:

''حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمر نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا! ان سے کہو کہ وہ اپنی بیوی کو واپس لے لیں (فَلْيُرَاجِعْهَا) اور اسی حال میں رہنے دیں، یہاں تک کہ جب وہ پاک ہوجائے اور پھر دوسرا حیض آجائے۔ اور پھر وہ پاک ہوجائے تو چاہیں تو بیوی کی حیثیت سے روک لیں اور چاہیں تو مباشرت سے پہلے طلاق دے دیں۔ یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ نے عورتوں کی طلاق کے سلسلہ میں دیا ہے۔'' (مسلم کتاب الطلاق)

معلوم ہوا کہ شریعت نے مرد کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ عورت کو حالتِ حیض میں طلاق دے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دیتا ہے تو یہ طلاق خلافِ شرع اور باطل ہے، واقع نہیں ہوگی۔

۲۔ عدت کا شمار کرنے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ عدت ختم ہونے سے پہلے عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کرسکتی، اگر کرے گی تو وہ نکاح باطل ہوگا۔ مطلقہ کی عدت عام طور سے تین حیض ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ (بقرہ:۲۲۸)

''اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو۔ وہ تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس **طهر** میں عورت کو طلاق دی گئی ہو اس کے بعد پہلی ایامِ ماہواری آجائے، پھر **طُهر** کے بعد دوسری ایام ماہواری آجائے، پھر **طُهر** کے بعد تیسری ایامِ ماہواری آجائے۔ اور یہ تیسری ایام ماہواری جس دن ختم ہو اس دن عورت کی عدت ختم ہوگی اور پھر وہ دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے لئے آزاد ہوگی۔

جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو یا حاملہ ہو ان کی عدت کے احکام اس سے مختلف ہیں۔ آگے آیت ۴ میں یہ احکام بیان ہوئے ہیں۔

۳۔ طلاق کے معاملہ میں اللہ سے ڈرنے کی خاص طور سے ہدایت کی گئی ہے۔ کیونکہ اول تو طلاق دین میں سخت ناپسندیدہ چیز ہے دوسرے جب طلاق دینا ناگزیر ہو تو اس طریقہ پر طلاق دینا چاہئے، جو شریعت نے مقرر کیا ہے۔ غصہ کی حالت میں اس طرح طلاق دینا کہ تمام شرعی احکام کی خلاف ورزی ہوجائے تقویٰ کے سراسر خلاف ہے۔ اور جو شخص اپنے معاملات میں اللہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اپنے جذبات اور خواہشات کی پیروی کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو بُرے انجام کی طرف ڈھکیلتا ہے۔

۴۔ مرد کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو طلاق دینے کے بعد عدت تک اپنے گھر میں رکھے اور عورت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ عدت شوہر کے گھر میں گزارے، غصہ میں آکر میکے نہ چلی جائے۔ گھر سے باہر نہ نکلنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی ضرورت کے لئے وہ باہر نہیں جاسکتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ شوہر کا گھر چھوڑ کر وہ کسی اور جگہ منتقل نہ ہوجائے۔

الا یہ کہ وہ صریح بدکاری (**فاحشة مبينة**) کی مرتکب ہوں سے مراد زنا کا ارتکاب ہے۔ ایسی صورت میں شوہر کو حق ہے کہ وہ عدت کے دوران بھی اپنی بیوی کو اپنے گھر سے نکال دے۔

''**فاحشة مبينة**'' سے جن لوگوں نے بدکلامی وغیرہ مراد لی ہے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا اور اس بہانے سے تو شوہر عورت کو جب چاہے گا نکال باہر کرے گا۔ قرآن میں یہ الفاظ تو زنا ہی کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

۵۔ یعنی طلاق کسی ناگزیر ضرورت کے بغیر دینا، طلاق دینے میں عدت کا خیال نہ رکھنا، بیک وقت کئی طلاقیں دے ڈالنا، عدت کا شمار نہ کرنا اللہ کی حدود کو توڑنے کے ہم معنی ہے اور ایسی حرکتیں صریح ظالمانہ ہیں اور جو ظالمانہ حرکتیں کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ کی سزا کا مستحق بناتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس کا الٹا مطلب لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تین اکٹھی طلاقیں واقع ہوتی ہیں جب ہی تو اسے ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہاں غلط طریقے اختیار کرنے پر گرفت کی گئی ہے، ان کے واقع ہونے کی کوئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ اور جب یہ تسلیم ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ظالمانہ ہوتی ہیں تو کیا اسلام اس ظلم کو عورت کے حق میں روا رکھنا چاہتا ہے؟ کیسی بھونڈی بات ہے جو یہ مفسرین کہہ رہے ہیں!

۶۔ اس کا تعلق حدودِ الٰہی کی پابندی سے ہے۔ یعنی اگر تم نے طلاق کے معاملہ میں حدودِ الٰہی کی پابندی کی تو کیا عجب کہ اللہ طلاق کے بعد بہتری کی کوئی صورت پیدا فرمادے۔ یعنی رجوع کی توفیق دے یا عدت ختم ہوجانے پر عورت کے لئے دوسرے نکاح کی بہتر صورت پیدا فرمائے۔ بہرکیف حدودِ الٰہی کی پابندی کا نتیجہ خوشگوار ہی ہوسکتا ہے۔

۷۔ اپنی مدت کو پہنچ جانے سے مراد عدت کے ختم ہونے کے قریب پہنچنا ہے۔ اس موقع پر شوہر کو چاہئے کہ یا تو رجوع کا فیصلہ کرلے یا جدا کردینے کا، مگر دونوں صورتوں میں بھلا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن نے طلاق کے بعد رجوع کا موقعہ رکھا ہے۔ اور جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۹ میں گزر چکا، یہ موقع دو مرتبہ کی طلاقوں کے لئے ہے۔ تیسری مرتبہ کی طلاق کے بعد رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی۔ لیکن اکٹھی تین طلاقوں کو واقع ماننے کی صورت میں رجوع کا موقعہ سرے سے باقی ہی نہیں رہتا، جو ظاہر ہے قرآن کے منشاء کے خلاف ہے اس لئے اسے واقع مانا نہیں جاسکتا۔

۸۔ یہ تاکیدی حکم ہے اس لئے اس کی پابندی کی جانی چاہئے۔ نزاعوں سے بچنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے اور یہ حکم دونوں صورتوں میں ہے، طلاق دینے کے بعد رجوع کی صورت میں بھی اور جدا کردینے کی صورت میں بھی۔ بہرحال یہ بات ظاہر ہوجانی چاہئے کہ فلاں عورت فلاں شخص کی بیوی رہی یا نہیں۔ ورنہ دونوں کی پوزیشن لوگوں کی نظروں میں مشتبہ ہوسکتی ہے۔

۹۔ یہ گواہوں کو ہدایت ہے کہ جب گواہی دینے کا موقع ہو وہ غیر جانبداری کے ساتھ سچی گواہی دیں اور خالصۃً اللہ کے لئے دیں۔

۱۰۔ ''یہ نصیحت'' سے مراد وہ تمام احکام ہیں، جو اوپر طلاق کے تعلق سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان احکام کی بجا آوری کی اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی ہے کہ خیر اور بھلائی اسی میں ہے اور اس کو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان کا تقاضہ بتلایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ طلاق کے معاملہ میں شریعت کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے وہ ایمان کے تقاضے کے خلاف کام کرتے ہیں اور قیامت کے دن انہیں اس کی سخت جوابدہی کرنا ہوگی۔

۱۱۔ یہ آیت تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے امید کی کرن ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کے لئے ایسے اسباب کردیتا ہے کہ مشکلات میں گھرے ہوئے شخص کے لئے ان سے نکلنے کی راہ کھل جاتی ہے اور اس کی تکلیفیں کافور ہوجاتی ہیں۔ یہاں خاص طور سے اشارہ گھریلو زندگی کی مشکلات کی طرف ہے کہ ان سے گھبرا کر تقویٰ کا دامن چھوڑ نہیں دینا چاہئے۔ بلکہ اس کو مضبوط تھام لینا چاہئے۔ کہ سارے عُقدے تقویٰ ہی سے کھل جاتے ہیں۔

۱۲۔ گھریلو زندگی بعض مرتبہ رزق کی تنگی کی وجہ سے تلخ ہوجاتی ہے اس لئے مرد اور عورت دونوں کو اطمینان دلایا گیا ہے اگر انہوں نے تقویٰ کے دامن کو نہیں چھوڑا، تو اللہ ان کے لئے رزق کی ایک نہ ایک صورت پیدا کردے گا۔ ایسی صورت جو ان کے گمان میں بھی نہیں ہوگی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ وہ رزق کے ایسے اسباب بھی کردیتا ہے جو انسان کے گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ لہٰذا صرف ظاہری ذرائع رزق ہی کو سب کچھ نہیں سمجھ لینا چاہئے بلکہ اللہ کی کشادہ دستی سے توقعات وابستہ کرلینی چاہئیں۔

۱۳؎ اسباب پر بھروسہ کرنے کے بجائے اللہ پر جو مسبب الاسباب (اسباب کا پیدا کرنے والا) ہے بھروسہ کرنا چاہیئے۔ بظاہر حالات مایوس کن ہوں لیکن اللہ پر قلبی اعتماد اور اس سے خیر کی توقع آدمی کو کبھی ناکام نہیں بناتی۔ پہاڑ جیسی مشکلات بھی اللہ تعالیٰ کے ایک اشارہ سے دور ہوجاتی ہیں۔ اور یہ آیت اس بات کی ضمانت ہے کہ جو بھی اللہ پر توکل کرے گا اس کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے اللہ کافی ہوگا۔

۱۴؎ یعنی اللہ کی مشیت پوری ہوکر رہتی ہے۔ البتہ یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ دنیا آزمائش ہے اس لئے اس نے ہر تکلیف کو دور کرنے کے لئے اور ہر مشکل کو آسان کرنے کے لئے وقت مقرر کر رکھا ہے، یہ اس کی ٹھہرائی ہوئی تقدیر ہے۔ لہٰذا انسان کو جلد بازی اور بے صبری سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ اللہ پر بھروسہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ادھر بھروسہ کیا اور دعا کی اور ادھر فوراً مشکل دور ہوئی۔ بلکہ اس میں وقت بھی لگ سکتا ہے تاکہ جو آزمائش مطلوب ہے وہ پوری ہو لیکن یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ مشکل کو دور کرنے کے لئے کافی ہوگا یہی صحیح معنیٰ میں توکل ہے۔

۱۵؎ اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے جن سے نکاح کے بعد شوہر نے مباشرت کی ہو۔ جن عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ان کے لئے کوئی عدت نہیں ہے جیسا کہ سورۂ احزاب آیت ۴۹ میں بیان ہوا۔ یہ بھی واضح رہے کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸ میں مطلقہ عورتوں کی عدت جن سے شوہر نے مباشرت کی ہو تین حیض بیان ہوئی ہے۔ یہاں بعض مخصوص صورتوں کے احکام بیان ہوئے ہیں۔

عورت اگر بڑی عمر کو پہنچ گئی ہو جب کہ اسے حیض آنے کی کوئی امید نہ رہی ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ ''اگر تمہیں کوئی شک ہو'' کا مطلب یہ ہے کہ حیض سے مایوسی کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد اگر کبھی کچھ خون آجائے جس کی وجہ سے آدمی شبہ میں پڑے کہ یہ حیض ہے یا استحاضہ یعنی دوسری قسم کا خون، تو اس شک کا اعتبار نہ کرو اور تین ماہ کی عدت شمار کرو۔ اور جب شک نہ ہو اور وہ حیض سے مایوس ہوچکی ہوں تو ان کی عدت بدرجہ اولیٰ تین ماہ ہوگی۔

۱۶؎ ''جن کو حیض نہ آیا ہو'' سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو بیماری وغیرہ کی وجہ سے حیض نہ آرہا ہو درآنحالیکہ وہ سنِ بلوغ کو پہنچ چکی ہوں۔ ایسی عورتوں کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

آیت کے اس فقرہ میں کہ ''جن کو حیض نہ آیا ہو'' نابالغ لڑکیوں کے نکاح کے جواز کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ بالفرض اگر نابالغ لڑکی سے کسی نے نکاح کیا تو اس سے مباشرت تو وہ کر نہیں سکے گا، کیونکہ اس کی اجازت نہ شریعت دیتی ہے اور نہ انسانی عقل اور فطرت۔ پھر اگر وہ اس نابالغہ کو طلاق دیتا ہے تو مباشرت نہ کرسکنے کی بنا پر اس کی کوئی عدت نہ ہوگی، (دیکھئے سورۂ احزاب آیت ۴۹) جب کہ یہاں ان عورتوں کی عدت جن کو حیض نہ آیا ہو تین ماہ بیان کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کا تعلق نابالغہ سے نہیں ہے اور نہ نابالغہ کے نکاح کے لئے یہ آیت حجت بن سکتی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن میں یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ۔ (نساء:۶)

''اور یتیموں کو جانچتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔''

ظاہر ہے کہ نکاح کی عمر کو پہنچ جانے سے مراد لڑکے اور لڑکی کا بالغ ہوجانا ہے۔ لہٰذا نکاح کی عمر بلوغت کی عمر ہوئی۔ اس سے پہلے نکاح کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور جب نکاح کا سوال پیدا نہیں ہوتا تو طلاق کا کیا سوال؟ علاوہ ازیں شریعت نے لڑکی کے نکاح کے لئے اس کی رضامندی ضروری قرار دی ہے۔ یہ رضامندی ایک نابالغہ سے کس طرح حاصل کی جاسکے گی؟ اسلام نے اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ لڑکی کو زبردستی کسی کے نکاح میں دے دیا جائے۔ رہی یہ روایت کہ حضرت عائشہ کی عمر نبی ﷺ سے نکاح کے وقت چھ سال کی تھی تو اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ واقعات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ یہاں مفصل بحث کی گنجائش نہیں تحقیق کرنے والوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔

۱۷۔ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل یعنی زچگی تک ہے، خواہ وہ طلاق دینے کے تھوڑے عرصہ بعد ہو یا کئی ماہ بعد ہو۔ اس طرح عدت کی مدت گھٹ بھی سکتی ہے اور بڑھ بھی سکتی ہے۔ اور یہی عدت اس حاملہ کی بھی ہے، جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، کیونکہ اگر اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوتی اور اس دوران وضع حمل نہ ہوا ہوتا تو وہ اس عدت کے گزارنے کے بعد حاملہ ہوتے ہوئے بھی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے لئے آزاد ہوتی۔ اور یہ بہت غلط بات ہوتی کہ ایک مرد کا حمل ہوتے ہوئے وہ دوسرے کے نکاح میں چلی گئی۔ اس لئے شریعت نے ہر حاملہ عورت کے لئے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ اس کی عدت وضع حمل تک ہے خواہ اس میں وقت کم لگ جائے یا زیادہ۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

”سُبَیْعَہ اَسلَمِیَہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت سعد بن خولہ کے نکاح میں تھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر میرے شوہر کا انتقال ہو گیا جب کہ میں حاملہ تھی انتقال کے چند روز بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ ایک صاحب نے کہا تم چار مہینے دس دن گذرنے سے پہلے نکاح نہیں کر سکتیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا! تو آپ نے جواب دیا کہ تم وضع حمل ہوتے ہی حلال ہو چکی ہو۔ اب چاہو تو دوسرا نکاح کر سکتی ہو۔“

(مسلم کتاب الطلاق)

۱۸۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو اطمینان دلایا گیا ہے کہ گو تقویٰ کی راہ پر چلنا اور خاص طور سے گھریلو زندگی میں جہاں تلخیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں تقویٰ کی پاسداری مشکل ہے۔ لیکن جو شخص تقویٰ کا دامن پکڑے رہے گا، اللہ اس کے لئے اس راہ پر چلنا آسان کر دے گا۔ اور واقعہ یہی ہے کہ جو لوگ اس بات کا عزم کر لیتے ہیں کہ انہیں بہر حال اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنے معاملات انجام دینا ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق عطا فرماتا ہے اور وہ متقیانہ زندگی گزارنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

ایک ایسا رسول جو اللہ کی واضح آیتیں تم کو پڑھ کر سناتا ہے
تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کو تاریکیوں سے
نکال کر روشنی میں لے آئے۔ اور جو اللہ پر ایمان لائے گا اور
نیک عمل کریگا، اس کو وہ ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے
نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے
ان کو بہترین رزق بخشا ہے۔ (القرآن)

ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ اَنۡزَلَهٗۤ اِلَيۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ
وَيُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ﴿۵﴾

۵ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے ۱۹ ؎۔ جو اللہ سے ڈرے گا اس کی برائیوں کو وہ دور کردے گا اور اس کے اجر کو بڑھا دے گا۔ ۲۰ ؎

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا
عَلَيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ۚ
فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَـكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَاِنۡ
تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ؕ ﴿۶﴾

۶ ان کو (عدت کے دوران) اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو جیسی کچھ تمہاری حیثیت ہو۔ ان کو تنگ کرنے کیلئے نہ ستاؤ ۲۱ ؎۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ ان کا وضعِ حمل ہو جائے ۲۲ ؎ پھر اگر وہ تمہارے لئے بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو۔ اور بھلے طریقہ پر آپس کے مشورے سے معاملہ طے کرلو ۲۳ ؎۔ اگر تم کوئی تنگی محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت اسے دودھ پلائے۔ ۲۴ ؎

لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ
اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا ؕ سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ
عُسۡرٍ يُّسۡرًا ﴿۷﴾

۷ صاحبِ حیثیت اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔ اور جس کو رزق کم دیا گیا وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے اس سے زیادہ بوجھ وہ کسی پر نہیں ڈالتا ۲۵ ؎۔ اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا فرمائے گا۔ ۲۶ ؎

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبۡنٰهَا حِسَابًا
شَدِيۡدًا ۙ وَّعَذَّبۡنٰهَا عَذَابًا نُّكۡرًا ﴿۸﴾

۸ کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی، تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا (گرفت کی)۔ اور ان کو بُری طرح عذاب دیا۔ ۲۷ ؎

فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ﴿۹﴾

۹ انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھ لیا اور ان کا انجام تباہی ہے۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۛۚ ۖۙ
الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۛۚ قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكُمۡ ذِكۡرًا ۙ ﴿۱۰﴾

۱۰ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے ۲۸ ؎۔ تو اللہ سے ڈرو اے عقل والو! جو ایمان لائے ہو ۲۹ ؎۔ اللہ نے تمہاری طرف ذکر (یاددہانی) نازل کیا ہے۔ ۳۰ ؎

رَّسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡ بِاللّٰهِ وَيَعۡمَلۡ
صَالِحًا يُّدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ
قَدۡ اَحۡسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزۡقًا ﴿۱۱﴾

۱۱ ایک ایسا رسول جو اللہ کی واضح آیتیں تم کو پڑھ کر سناتا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیا ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے ۳۱ ؎۔ اور جو اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کریگا ۳۲ ؎، اس کو وہ ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ان کو بہترین رزق بخشا ہے۔ ۳۳ ؎

۱۹۔ یعنی خوب جان لو کہ عدت کا یہ حکم اللہ کا نازل کردہ حکم ہے، اس لئے لازماً تمہیں اس کا پابند ہو جانا چاہیئے۔اس کی خلاف ورزی صریح گناہ ہے۔اور اگر کسی نے عائلی قانون کی جگہ خود ساختہ عائلی قانون لانے کی کوشش کی یا اسے رائج یا نافذ کیا تو یہ سنگین جرم ہوگا۔

۲۰۔ یہ اللہ سے ڈرنے والوں اور اس کے احکام کی پابندی کرنے والوں کی جزا بیان ہوئی ہے کہ وہ ان کی برائیوں کو بھی مٹائے گا اور ان کو بہت بڑے اجر سے نوازے گا۔جتنا بڑا صبر اتنی ہی بڑی جزا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

۲۱۔ یعنی مطلقہ عورتوں کو عدت تک اپنے ہی گھر میں رہنے دو اور اپنی حیثیت کے مطابق اچھی جگہ رکھو۔ایسا نہ ہو کہ اچھی جگہ موجود ہوتے ہوئے گھٹیا جگہ پر انہیں چھوڑ دو کہ یہ بدسلوکی ہوگی اور اس سے ان کی غیرت بھی متاثر ہوگی۔پھر عدت کے دوران تمہارا رویہ بھی اپنی بیویوں کے ساتھ خوش اخلاقی کا ہونا چاہیئے۔انہیں اذیت اور تکلیف دے کر تنگ کرنا، تاکہ وہ شوہر کا گھر چھوڑنے کے لئے مجبور ہو جائیں ہرگز روا نہیں۔

افسوس ہے کہ اس تاکیدی حکم کے باوجود آئے دن مسلمان اپنی بیویوں کو طلاق دیتے ہیں، تو ان کے ساتھ تکلیف دہ رویہ بھی اختیار کرتے ہیں اور انہیں فوراً اپنے گھر سے رخصت کرتے ہیں۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اگر قرآن سے تعلق رکھتے ہیں تو صرف تلاوت کی حد تک۔جب قرآن کو سمجھ کر پڑھنے سے انہیں دلچسپی ہی نہیں ہوتی تو ان پر نہ اللہ کے احکام واضح ہو پاتے ہیں اور نہ ان پر عمل کی تحریک ہوتی ہے۔یہ کیسی عجیب بات ہے کہ آدمی سورۂ طلاق کی تلاوت تو کرے لیکن اس میں جو احکام بیان ہوئے ہیں ان کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہ کرے جب کہ اس کو سمجھنے کے ذرائع موجود ہیں۔ایسے لوگ اگر اللہ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں تو تلاوت کے باوجود انہیں قرآن سے اس بے اعتنائی اور اس کے احکام پر عمل نہ کرنے کے بارے میں اللہ کے حضور سخت جوابدہی کرنا ہوگی۔

۲۲۔ مطلقہ اگر حاملہ ہے تو اس کا وضعِ حمل ہونے تک اس پر خرچ کرنے کی ذمہ داری جس میں کھانا، پینا، کپڑا اور علاج شامل ہے، شوہر پر عائد ہوتی ہے خواہ یہ طلاق رجعی ہو یا تیسری مرتبہ کی مغلظہ طلاق۔چونکہ حمل کی مدت طویل ہو سکتی ہے اس لئے خاص طور سے حاملہ عورتوں کے نفقہ کا ذکر ہوا ورنہ یہ حکم ان مطلقہ عورتوں کے لئے بھی ہے جن کو رجعی طلاق دی گئی ہو یا تیسری مرتبہ یعنی تیسرے موقع پر طلاق مغلظہ دی گئی ہو۔ان سب مطلقہ عورتوں کے لئے ان کی عدت تک سُکنیٰ (رہائش) اور نفقہ (خرچ) کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے۔یہ بات اس پہلو سے بھی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جب عدت ختم ہونے سے پہلے عورت دوسرا نکاح کرنے کے لئے آزاد نہیں ہے تو عدت پوری ہونے تک اس کی رہائش اور نفقہ کا کون ذمہ دار ہوگا۔شوہر کو جس نے نکاح کے معاہدہ کو توڑا ہے اس کا ذمہ دار ہونا چاہیئے۔

لیکن علماء اور فقہاء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اس مطلقہ کے لئے جس کو تیسری مرتبہ طلاق دی گئی ہو اور وہ حاملہ نہ ہو نہ سُکنیٰ ہے اور نہ نفقہ، ان کا استدلال فاطمہ بنتِ قیس کی حدیث سے ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ میرے شوہر نے مجھے تیسری اور آخری مرتبہ کی طلاق دی تھی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سُکنیٰ اور نفقہ کا مسئلہ پیش کیا۔لیکن آپ نے مجھے نہ سُکنیٰ دلوایا اور نہ نفقہ بلکہ فرمایا کہ تم ابن امّ مکتوم کے گھر میں عدت گزارو۔ (مسلم کتاب الطلاق)

واقعہ یہ ہے کہ فاطمہ بنتِ قیس کے شوہر اپنے گھر میں موجود نہیں تھے بلکہ سفر پر تھے اور یمن سے انہوں نے طلاق بھجوادی تھی اور جیسا کہ دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے (فاطمہ بنتِ قیس خود وہاں قیام کرنا نہیں چاہتی تھیں) اس لئے آپ نے انہیں ایک محفوظ جگہ منتقل ہونے کی ہدایت کی۔رہا نفقہ تو شوہر نے اپنے وکیل کے ذریعہ غلہ بھجوایا تھا۔لیکن فاطمہ بنت قیس نے اسے ناکافی خیال کرتے ہوئے زیادہ کا مطالبہ کیا تھا، مگر نبی ﷺ نے مزید نفقہ نہیں دلوایا جس کی وجہ ممکن ہے شوہر کی غیر موجودگی رہی ہو یا جو غلہ اس نے بھیجا تھا اس کو کافی خیال کر لیا گیا ہو۔بہرحال آپ نے ان کے مسئلہ کا

عملی حل نکالا۔اور وہ نہ صرف یہ کہ انہیں ابن ام مکتوم کے گھر جو نابینا تھے منتقل ہونے کا حکم دیا، بلکہ عدت گزرتے ہی ان کا نکاح اُسامہ بن زید سے کروادیا،مگر فاطمہ بنت قیس اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتی تھیں کہ اس مطلقہ کے لئے جسے تیسری مرتبہ طلاق دی گئی ہو نہ سُکنیٰ ہے اور نہ نفقہ۔ یہ روایت بالمعنی تھی (یعنی الفاظ محفوظ نہیں رکھے گئے تھے) اور قرآن سے مطابقت نہیں رکھتی تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس روایت کو قبول نہیں کیا اور فرمایا:

لَا نَتْرُکُ کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّۃَ نَبِیِّنَا ﷺ لِقَوْلِ امْرَأَۃٍ لَا نَدْرِیْ لَعَلَّھَا حَفِظَتْ اَوْ نَسِیَتْ لَھَا السُّکْنٰی وَ النَّفَقَۃُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ لَا تُخْرِجُوْھُنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ۔ (مسلم کتاب الطلاق)

''ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس نے حدیث کو یاد رکھا یا اس سے بھول ہوئی۔ مطلقہ (بائنہ) کے لئے سُکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی۔ اللہ عز وجل فرماتا ہے انہیں اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں الّا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں''۔

اسی طرح حضرت عائشہ نے بھی ان کی روایت پر گرفت کی۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا:

اَمَا اَنَّہٗ لَیْسَ لَھَا خَیْرٌ فِیْ ذِکْرِ ھٰذَا الْحَدِیْثِ۔ اس حدیث کو بیان کرنے میں اس کیلئے کوئی بھلائی نہیں ہے۔''

نیز فرمایا:

اِنَّ فَاطِمَۃَ کَانَتْ فِیْ مَکَانٍ وَحْشٍ فَخِیْفَ عَلٰی نَاحِیَتِھَا فَلِذٰلِکَ اَرْخَصَ لَھَا النَّبِیُّ ﷺ۔

''فاطمہ ایک ویران جگہ پر تھی اس لئے اندیشہ محسوس کیا گیا۔ اس بنا پر نبی ﷺ نے اسے منتقل ہونے کی اجازت دی۔''

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ سُکنیٰ (رہائش کا انتظام) بذاتِ خود ساقط نہیں ہوا تھا، بلکہ مذکورہ سبب سے ساقط ہوا تھا۔لیکن فاطمہ بنتِ قیس مطلقہ بائنہ کے سُکنیٰ اور نفقہ کو ساقط قرار دیتی تھیں اس لئے حضرت عائشہ نے اس کی تردید کی۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۳۹۶) حضرت عمر کے اس ارشاد سے کہ ہم اپنے نبی کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے واضح ہوتا ہے کہ مطلقہ کے لئے خواہ اسے طلاق بائن ہی کیوں نہ دی گئی ہو اس کی رہائش کا انتظام کرنے اور اس کو نفقہ دینے کا طریقہ نبی ﷺ کے زمانے سے چلا آرہا تھا۔ بالفاظ دیگر یہ سنت تقریری ہے اور قرآن کی آیت کہ ''انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو'' کے مفہوم میں یہ شامل ہے۔ اس لئے حضرت عمر نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو قبول نہیں کیا۔ خلیفہ راشد کے اس طرزِ عمل سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ قبولِ حدیث کے لئے محض راوی کا بیان کافی نہیں ہے بلکہ اس کا قرآن وسنت کے خلاف نہ ہونا بھی ضروری ہے۔

۲۳۔ وضعِ حمل کے بعد عدت ختم ہوجاتی ہے اور عورت کے نفقہ کی کوئی ذمہ داری اس کے سابق شوہر پر نہیں رہتی۔ لیکن بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت اسے ادا کرنا ہوگی۔ اجرت کا یہ معاملہ بھلے طریقہ پر دونوں آپس کے مشورہ سے طے کرسکتے ہیں تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

۲۴۔ لیکن اگر مطلقہ عورت اپنے بچے کو دودھ نہ آنے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے دودھ نہ پلاسکتی ہو یا اتنی اجرت طلب کرے کہ مرد ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس قسم کی کسی دشواری کے پیدا ہونے کی صورت میں کسی دوسری عورت سے دودھ پلایا جاسکتا ہے۔

اس زمانہ میں پاوڈر کے دودھ کا رواج بچوں کے لئے عام ہوگیا ہے اس لئے کسی اور عورت سے دودھ پلانے کی نوبت نہیں آتی۔

۲۵۔ اس کا تعلق دودھ پلانے کی اجرت کی ادائیگی سے بھی ہے اور عدت میں عورت کے نفقہ کی ادائیگی سے بھی۔ مرد کا جو معیار ہو اس کے مطابق وہ خرچ کرے۔ نہ تو صاحب حیثیت محض اس بنا پر کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے خرچ کرنے میں بخیلی کرے اور نہ اس سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنی

حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرے۔ اللہ کسی پر اس کی حیثیت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔

۲۶۔ یعنی کیا عجب کہ تقویٰ اور انصاف کی روش کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ مرد کی تنگی کو وسعت میں تبدیل کردے۔ اللہ سے بہر حال خیر ہی کی امید رکھنا چاہیئے اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر وقت حالات یکساں نہیں رہتے۔ خشک ہواؤں کے بعد رحمت کی خوشخبری دینے والی ہوائیں بھی چلنے لگتی ہیں۔

۲۷۔ یہ مسلمانوں کو سخت تنبیہ ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی تو یاد رکھیں کہ سرکش قوموں کا کیا حال ہوا۔ سرکش قوموں سے اشارہ۔ عاد، ثمود، قومِ لوط اور قومِ فرعون کی طرف ہے۔ یہ سخت تنبیہ مسلمانوں کو طلاق کے احکام دینے کے بعد کی گئی ہے۔ اگر مسلمان اپنی گھریلو زندگی میں اللہ کے احکام کی پروانہ کریں تو وہ اجتماعی زندگی میں اس کے احکام کی کیا پروا کریں گے۔ نتیجہ یہ کہ انفرادی زندگی کا فساد بڑھتے بڑھتے اجتماعی زندگی کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے پھر جب اجتماعی زندگی فساد سے بھر جاتی ہے تو اس سوسائٹی پر قہرالٰہی نازل ہوجاتا ہے۔

طلاق سے متعلق ان واضح احکام اور ان تنبیہات کے باوجود جو اس سورہ میں دی گئی ہیں بہ کثرت مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ طلاق دینے کے معاملہ میں ان احکام کی کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ بیوی کو یک لخت تین طلاقیں دے کر چھوڑ دینا، اسے تنگ کرنا اور گھر سے نکال دینا ان کا شیوہ بن گیا ہے۔ اور ان سے بھی دو قدم آگے وہ آزاد خیال مسلمان ہیں جو طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ سے چھین کر کورٹ کو دینا چاہتے ہیں یا پھر تفویضِ طلاق کے فقہی جزیہ کا سہارا لے کر نکاح کے وقت ہی عورت کو یہ اختیار دینا چاہتے ہیں کہ وہ جب چاہے اپنے اوپر طلاق عائد کرسکتی ہے۔ اس طرح وہ معاشرہ کی اصلاح کے بجائے شریعت کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اسلام سے ان کا کھلا انحراف ہے اور اس انحراف کا دنیا میں بھی بُرا انجام ہے اور آخرت میں بھی۔ کاش کہ مسلمان ہوش میں آئیں!

۲۸۔ یعنی دنیا میں ان کا جو انجام ہوا ہو آخرت میں ان کے لئے اللہ نے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

۲۹۔ یعنی ایمان لاکر تم نے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ اور عقلمندی کی بات یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزاری جائے اور کوئی کام تقویٰ کے خلاف نہ کیا جائے۔

۳۰۔ مراد قرآن ہے جو یاددہانی اور نصیحت ہے۔

۳۱۔ یعنی اس یاددہانی (قرآن) کے ساتھ ایک ایسا رسول بھیجا ہے، جو قرآن کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان لوگوں کو جو ایمان لاکر نیکی کی روش اختیار کرتے ہیں، جہالت اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر علم اور نیکی کی روشنی میں لاتا ہے۔ اس طرح ان کی پوری پوری رہنمائی کر رہا ہے۔

۳۲۔ اس سورہ کے مضمون سے بالکل واضح ہے کہ نیک عمل کرنے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا، اس کے احکام پر عمل کرنا اور گھریلو زندگی میں اس کی ہدایت کی پابندی کرنا شامل ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو اس آیت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

۳۳۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی گزارنے والوں کو اگر دنیا میں تنگ رزق ملے تو فکر کی کوئی بات نہیں، اللہ نے ان کے لئے جنت میں بہترین رزق مہیا کر رکھا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ
الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ
اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

۱۲ اللہ ہی نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے ان ہی کے مانند ۳۴؎۔ ان کے درمیان اس کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں ۳۵؎۔ (تم پر یہ حقیقت واضح کی) تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ۳۶؎

۳۴؎ یہ سورہ کے خاتمہ کی آیت ہے اور اس میں کائنات کے ایک اہم راز پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ کائنات اس آسمان اور اس زمین تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ پہلا آسمان ہے جسے ہم اپنے اوپر دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح سات آسمان اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ اور جس طرح اس آسمان دنیا کے نیچے زمین ہے اسی طرح دوسرے آسمانوں کے نیچے بھی زمینیں ہیں، لیکن یہ زمینیں ہماری زمین سے کافی مختلف ہیں۔ اسی لئے فرمایا من الارض یعنی زمین کی قسم سے۔ ان زمینوں کی جو ہمارے لئے غیر مرئی ہیں (دیکھی نہیں جا سکتیں) نوعیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ہمارے پاس ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور سائنس کی رسائی اس خول سے باہر نہیں ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ یعنی یہ زمین اور اس کے اوپر کا پہلا آسمان۔ مرغی کا چوزہ جب تک انڈے کے اندر رہتا ہے اس کے لئے دنیا وہی ہوتی ہے، وہ جب اس خول سے باہر آتا ہے تو ایک وسیع دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے۔ اسی طرح ہم اس زمین و آسمان کے خول میں بند ہیں۔ لیکن اللہ کی کائنات اسی حد تک محدود نہیں ہے۔ وحی الٰہی نے ہم پر اس راز کا انکشاف کیا ہے کہ وہ نہایت وسیع ہے، یکے بعد دیگرے ایسے سات عالم ہیں۔ ان عالموں میں کیا کچھ ہے اس سے ہم واقف نہیں ہیں اور نہ ہمارے پاس اس کے جاننے کا کوئی ذریعہ ہے۔ اور قرآن کا مقصود محض معلومات میں اضافہ کرنا نہیں ہے، بلکہ کائنات کے وسیع تصور کو پیش کر کے اللہ کی وسیع قدرت کا احساس پیدا کرنا ہے۔

۳۵؎ یعنی ان ساتوں آسمانوں اور زمینوں پر اللہ کا اقتدار قائم ہے اور اس کے احکام ان سب کے اندر نازل ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان عالموں میں کس طرح کی مخلوق ہے اور وہاں کس قسم کے احکام نازل کئے جاتے ہیں۔

۳۶؎ یعنی کائنات کے ایک اہم راز کا انکشاف تم پر اس لئے کیا گیا، تاکہ تم اللہ کی قدرت اور اس کے علم کا صحیح تصور کر سکو۔ جس ہستی کی قدرت اتنی وسیع ہے اور جس کا علم بحر بے کراں ہے، اس کا دین اور اس کی شریعت ہی انسان کے لئے لائق اتباع ہو سکتی ہے اور اس کی رضامندی کی راہ اختیار کر کے ہی آدمی نہال ہو سکتا ہے۔

سورۃ التحریم

۶۶۔ اَلتَّحۡرِیۡم

نام پہلی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک حلال چیز کو اپنے او پر حرام کر دینے پر احتساب کیا گیا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''اَلتَّحۡرِیۡم'' ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے اور آیت ۹ میں منافقوں سے جہاد کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ اس بات کی شہادت ہے کہ یہ سورہ ۹ ھ میں نازل ہوئی۔ کیونکہ منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم غزوۂ تبوک کے بعد دیا گیا تھا جیسا کہ سورۂ توبہ آیت ۷۳ سے واضح ہے۔

مرکزی مضمون اپنی بیویوں کی محبت کو اس قدر غالب نہ آنے دیں کہ ان کی خاطر کسی حلال چیز کو اپنے او پر حرام کرلیں۔ نیز ان کی اصلاح کی طرف سے غافل نہ ہوں اور ان کے تعلق سے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں تا کہ انہیں آخرت کے بُرے انجام سے بچایا جا سکے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۵ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک لغزش پر جو آپ سے اپنی ازواج کے ساتھ دلداری میں ہوئی تھی، احتساب کرتے ہوئے ازواجِ مطہرات کی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعض گھریلو معاملات میں ناراضگی پر گرفت کی گئی ہے۔ اور انہیں اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

آیت ۶ تا ۸ میں اہل ایمان کو اپنی بیویوں کی اصلاح کی طرف سے بے فکر نہ ہونے، اور اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ انہیں آخرت کے عذاب سے بچانے کی پوری کوشش کی جائے۔

آیت ۹ میں کفار اور منافقین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم یہاں اس مناسبت سے ہے کہ وہ ہمیشہ ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ ازواجِ مطہرات کے خلاف بھی فتنہ سامانی کرتے۔ نیز اس بات کے درپے تھے کہ اہل ایمان کی عورتیں بھی ان کی گمراہ کن باتوں سے متاثر ہوں۔

آیت ۱۰ میں ان عورتوں کے واقعات سے عبرت دلائی گئی ہے، جنہوں نے اپنے رسولوں کے نکاح میں ہوتے ہوئے ان سے بے وفائی کی۔

آیت ۱۱ اور ۱۲ میں دو نیک خواتین کی مثالیں پیش کی گئی ہیں، جن کی سیرت کی بلندی کے آگے آسمان بھی سرنگوں ہے۔

سُورَةُ التَّحْرِيم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ
اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ
وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ②

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ
بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ
فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ
الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ③

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا
عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ
وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ④

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ
مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰۗىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۗىِٕحٰتٍ
ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ⑤

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰۗىِٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ
اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥

٦٦۔ سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ

آیات: ١٢

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

١ اے نبی! تم اپنی بیویوں کی رضا مندی کی خاطر اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے؟ اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ١

٢ اللہ نے (ایسی) قسموں کا کھول دینا تم پر فرض کیا ہے ٢۔ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ علم والا حکمت والا ہے۔

٣ اور جب نبی نے اپنی بیوی سے راز میں ایک بات کہی، پھر جب اس بیوی نے اسے ظاہر کر دیا اور اللہ نے نبی کو اس سے باخبر کر دیا، تو نبی نے (اس بیوی کو) کسی حد تک خبردار کیا اور کسی حد تک درگزر کیا۔ جب نبی نے بیوی کو یہ بات بتلائی تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ نبی نے کہا مجھے اس نے خبر دی جو سب کچھ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔ ٣

٤ اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو تو (تمہارے لئے بہتر ہے) تمہارے دل اس کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ اور اگر تم دونوں مل کر اس کو ناراض کرو تو (یاد رکھو) اللہ اس کا مولیٰ ہے اور اس کے بعد جبریل اور صالح مؤمنین۔ اور اس کے بعد فرشتے اس کے مددگار ہیں۔ ٤

٥ اگر نبی تم سب بیویوں کو طلاق دیدے تو عجب نہیں کہ اس کا رب تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں اس کو عطا فرمائے ٥۔ مسلمہ، مؤمنہ، اطاعت گزار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، سیاحت کرنے والی ٦، شوہر آشنا ٧ اور کنواری۔

٦ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ ٨، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ٩۔ جس پر سخت مزاج اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اس کی وہ تعمیل کرتے ہیں۔ ١٠

اے نبی ﷺ کی ازواج میں سے کسی نے کسی چیز کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔اس لئے آپ نے ان کی دلجوئی کی خاطر اس چیز کو قسم کھا کر اپنے اوپر حرام کرلیا۔یہ بات اگرچہ آپ کی اپنی ذات تک محدود تھی،اور اسے راز میں رکھنے کی ہدایت بھی آپ نے اس زوجہ محترمہ کو کی تھی۔لیکن انبیاء کی لغزشوں پر اللہ تعالیٰ برملا انہیں متنبہ فرماتا ہے،تاکہ بروقت ان کی اصلاح ہو اور ان کی سیرت پر کوئی حرف نہ آئے اور لوگوں کے لئے صحیح رہنمائی کا سامان ہو۔

یہ محض ایک لغزش تھی اور اپنے اوپر حرام کرنا اس معنی میں نہیں تھا کہ اللہ نے اس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے،بلکہ اس معنی میں تھا کہ میں نے اسے اپنے لئے ممنوع کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاں اس لغزش پر متنبہ فرمایا وہیں اس لغزش کی معافی کا بھی اعلان کر دیا۔جیسا کہ آیت کے آخری فقرہ سے واضح ہے۔اب جس چیز کو اللہ معاف کر چکا ہو اس پر کسی کو انگلی اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

نبی ﷺ نے کیا چیز اپنے اوپر حرام کر دی تھی اس کی صراحت قرآن نے نہیں کی اور نہ نبی ﷺ نے حدیث میں اس کی صراحت فرمائی،تو ہم اس کو کریدنے کی کوشش کیوں کریں؟ قرآن کے اجمالی بیان پر جو اصل مقصد کو پورا کرتا ہے ہمیں اکتفاء کرنا چاہئے۔لیکن راویوں نے قیاس سے کام لے کر کچھ واقعات بیان کئے ہیں اور مفسرین نے ان کو نقل کیا ہے۔ان میں مشہور دو واقعات ہیں۔ایک واقعہ حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں ہے۔ جن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے تھے اور پھر بچپن ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔ماریہ قبطیہ کے تعلق سے ایک ایسی بات نبی ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہے جو آپ کے اخلاق سے بالکل فروتر ہے اور اس قدر لغو ہے کہ ہم اس کو نقل کرنا بھی آپ کی شان میں گستاخی سمجھتے ہیں۔امام نووی نے بھی صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے اور علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

”یہ بحث اصولی روایت کی بنا پر تھی درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کدوکاوش کی حاجت نہیں۔جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ میں جو جزئیات مذکور ہیں وہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی منسوب نہیں کئے جا سکتے،نہ کہ اس ذات پاک کی طرف جو تقدس و نزاہت کا پیکر تھا۔“ (سیرت النبی اردو ج ا ص ۱۵۰)

دوسرا واقعہ شہد کو اپنے اوپر حرام کرنے کا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنی زوجہ محترمہ زینب بنت جحش کے پاس کچھ دیر ٹھہرا کرتے اور ان کے پاس شہد پیا کرتے تھے۔حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے اور حفصہ نے اتفاق کیا کہ وہاں سے آپ جس بیوی کے پاس تشریف لائیں وہ یہ کہے آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے(مغافیر جنگلی پھول ہوتے ہیں جن کی بو اچھی نہیں ہوتی)چنانچہ آپ اپنی دوسری بیویوں کے پاس گئے تو انہوں نے یہی بات کہی۔اس پر آپ نے آئندہ شہد کھانے سے انکار کیا۔یہ روایت اگرچہ بخاری اور مسلم میں موجود ہے مگر گوناگوں وجوہ سے قابل اعتبار نہیں ہے:

اولاً شہد سے متعلق روایات میں بڑا اضطراب ہے۔کسی روایت میں بیان ہوا ہے کہ آپ نے شہد حضرت زینب بنت جحش کے ہاں پیا تھا،تو کسی میں بیان ہوا ہے کہ حضرت حفصہ کے ہاں نوش فرمایا تھا۔صحیح بخاری کی روایتوں میں بھی یہ تضاد موجود ہے(ملاحظہ ہو بخاری کتاب الطلاق)اور صحیح مسلم کی روایتوں میں بھی۔(ملاحظہ ہو مسلم کتاب الطلاق)جب راوی کو اس بارے میں وثوق نہیں ہے تو اس کی روایت پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ثانیاً بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عائشہ نے صرف حضرت حفصہ سے کہا تھا کہ وہ نبی ﷺ سے کہیں کہ مغافیر کی بو آتی ہے۔لیکن دوسری روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عائشہ نے یہ بات دوسری ازواج سے بھی کہی تھی اور انہوں نے ویسا ہی کیا۔

ثالثاً نبی ﷺ کا ذوق نہایت اعلیٰ و نفیس تھا۔آپ ایسا شہد کیوں کھاتے جس میں متنفر کرنے والی بو ہو؟ پھر یہ بو بھی ایسی دیرپا تھی کہ نبی ﷺ باری باری تمام ازواج کے گھر تشریف لے گئے اور آخر وقت تک بو قائم رہی؟ یہ افسانہ نہیں تو کیا حقیقت ہے؟

رابعاً شہد ایک حلال چیز ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کی خصوصیت قرآن میں یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۶۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پینے کی ترغیب لوگوں کو دیتے رہتے تھے۔ ایسی چیز آپ اپنے اوپر کیوں حرام کرتے؟

خامساً بخاری ہی کی ایک حدیث میں جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور جس میں حضرت عمر نے تظاہرا (ناراضگی کے اظہار کیلئے ایکا) کرنے والیوں کے نام عائشہ اور حفصہ بتلائے ہیں، مگر اس میں شہد کے واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ تمام ازواج مطہرات کی طرف سے نفقہ (خرچ) میں اضافہ کے مطالبہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رنجش اور پھر ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے علیحدگی کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اور اس کے ساتھ تخییر (ازواج مطہرات کو آپ کی رفاقت میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دینے) کے واقعہ کو بھی جوڑ دیا گیا ہے۔ حالانکہ تخییر کا یہ واقعہ ۵ھ کا ہے، جس کے بارے میں سورۂ احزاب کی آیت ۲۸ نازل ہوئی تھی اور سورۂ احزاب کا نزول ۵ھ میں ہوا تھا۔ جب کہ سورۂ تحریم ۹ھ میں نازل ہوئی ہے۔

اس سے اندازہ ہوا ہوگا کہ سورۂ تحریم کی آیات کی تفسیری روایات میں بہت زیادہ الجھاؤ ہے۔ اس لئے ان روایات کو محض ان کی اسناد کی بنا پر قبول نہیں کیا جاسکتا اور قرآن کے مجمل بیان پر اکتفاء کرنے ہی میں سلامتی ہے۔ اور خاص طور سے اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کوئی حرف نہیں آنا چاہیئے اور نہ ازواجِ مطہرات کے بارے میں یہ تاثر دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آپ کے خلاف کوئی سازش کی تھی۔ جو واقعہ بھی پیش آیا اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ واقعہ کیا تھا، لغزش کی نوعیت کیا تھی، مگر اس لغزش پر ازواجِ مطہرات کو آگے جو سخت تنبیہ کی گئی ہے وہ اس لئے کی گئی ہے کہ ان کا معاملہ ایک نبی سے ہے اور ان کا مقام امہات المؤمنین کا تھا۔

۲۔ یعنی ایسی قسموں کو جو اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کر دینے کی غرض سے کھائی گئی ہوں کھول دینا شریعت میں بالکل جائز ہے۔ لہٰذا ان کو ختم کر دینا چاہیئے۔ رہا قسم توڑنے کا کفارہ تو اس کا حکم سورۂ مائدہ آیت ۸۹ میں بیان ہوا ہے۔

واضح رہے کہ سورۂ مائدہ پہلے نازل ہو چکی تھی اور سورۂ تحریم بعد میں نازل ہوئی ہے۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ محترمہ سے راز میں ایک بات کہی تھی۔ لیکن انہوں نے یہ بات آپ کی دوسری زوجہ محترمہ پر ظاہر کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے باخبر کیا۔ آپ نے راز ظاہر کرنے والی بیوی کو اس بات سے آگاہ کیا کہ تم نے یہ رازدارانہ بات ظاہر کر دی۔ مگر آپ نے اپنی خوش اخلاقی کی بنا پر اس کا سرسری طور سے ذکر کیا اور اس پر سخت گرفت نہیں کی بلکہ درگزر سے کام لیا۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی۔ آپ نے فرمایا مجھے خدائے علیم وخبیر نے اس سے باخبر کیا۔

یہ راز کی بات کیا تھی اس کی صراحت نہ قرآن نے کی اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت فرمائی۔ اور صراحت کا سوال پیدا بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ کی ایک زوجۂ محترمہ کے دوسری زوجۂ محترمہ پر راز ظاہر کر دینے ہی پر تنبیہ نازل ہوئی ہے، تو ہمارا اس راز کی بات کی کھوج لگانے کی کوشش کرنا اور اس بارے میں قیاس آرائیاں کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ مگر روایات میں یہ قیاس آرائیاں موجود ہیں تفسیریں بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔ ہم ان روایتوں سے تعرض کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کا کوئی وزن مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر تسلیم ہی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ سلسلۂ کلام سے یہ بات واضح ہے کہ یہ متعدد واقعات نہیں تھے بلکہ ایک واقعہ ہی تھا اور وہ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر دینا اور وہ بات تھی جو آپ نے رازدارانہ طریقہ پر اپنی ایک زوجۂ محترمہ سے کہی تھی۔ لیکن جیسا کہ اوپر ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ یہ کیا چیز تھی ہمیں نہیں معلوم۔

آیت سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی کیونکہ راز کو ظاہر کرنے کی جو خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی تھی، اس کا ذکر قرآن میں سورۂ تحریم سے پہلے کہیں بھی نہیں ہوا ہے، اور یہ بات بہ کثرت دلائل سے ثابت ہے کہ آپ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔

۴۔ تم دونوں سے مراد نبی ﷺ کی دو محترم بیویاں ہیں جن میں سے ایک نے دوسری پر راز کی بات ظاہر کر دی تھی۔ یہ دونوں کون تھیں اس کی صراحت قرآن نے نہیں کی اور ہمارے لئے اس کو جاننا ضروری نہیں۔ روایتوں میں ایک راوی نے دو نام پیش کئے ہیں دوسرے راوی نے اس سے مختلف دوسرے نام پیش کئے ہیں۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا نام لیا گیا ہے (بخاری کتاب الطلاق) تو مسلم کی روایت میں حضرت عائشہ، حضرت سودہ اور حضرت صفیہ کے نام لئے گئے ہیں (مسلم کتاب الطلاق) روایتوں کے اس تضاد کے پیشِ نظر ازواجِ مطہرات میں سے کسی کا نام لیکر ان پر یہ الزام لگانا صحیح نہیں۔

بہر صورت جس زوجہ محترمہ نے راز ظاہر کر دیا تھا وہ تو قصوروار تھیں ہی، لیکن انہوں نے جس زوجہ محترمہ پر یہ راز ظاہر کر دیا تھا وہ بھی قصوروار تھیں۔ ان کا قصور غالباً یہ تھا کہ انہوں نے راز کی بات سن کر یہ محسوس کیا کہ نبی ﷺ نے ان سے یہ بات چھپائی تھی اور اس بنا پر آپ سے ناراض ہو گئیں۔ اس لئے دونوں خواتین کو توبہ کی ہدایت کی گئی۔ جس میں یہ اشارہ بھی مضمر تھا کہ اگرچہ ان کا ظاہری رویہ یہ ہے، مگر ان کو اپنے قصوروں پر ندامت کا احساس ہے اور ان کے دل توبہ کی طرف مائل ہیں۔ ساتھ ہی انہیں متنبہ کیا گیا کہ اگر تم دونوں نے مل کر نبی ﷺ سے ناراضگی برقرار رکھی تو یاد رکھو ناراضگی کا یہ معاملہ کسی شخص سے نہیں، بلکہ اس شخصیت سے ہے جو نبوت کے منصب پر سرفراز ہے اور جس کا مولیٰ اور رفیق اللہ تعالیٰ ہے اور جس کے مددگار جبریلؑ، صالح مؤمنین اور فرشتے ہیں۔ ایسی بلند و بالا شخصیت سے تم ناراض ہو کر کیا حاصل کرنے والی ہو اور اس ناراضگی سے نبی ﷺ کی مبارک مجلس ہرگز سونی پڑنے والی نہیں۔

صالح مؤمنین کا مددگار رہنا معروف معنی میں ہے اسی طرح فرشتوں کا مددگار رہنا بھی معروف معنی ہی میں ہے۔

۵۔ یہ بات بھی تنبیہ کے طور پر تھی جو عمومیت کے ساتھ تمام ازواجِ مطہرات سے کہی گئی تاکہ سب آئندہ محتاط رہیں۔ فرمایا اگر نبی نے تم ازواجِ مطہرات کو طلاق دی تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے بہتر ازواج عطا فرمائے گا اور وہ ان صفات کی حامل ہوں گی۔ یہ اس بات کی ترغیب تھی کہ ازواجِ مطہرات اپنے اندر یہ اوصاف بدرجہ کمال پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

۶۔ سیاحت کے معنی اس سفر کے ہیں جو عبادت کی غرض سے کیا جائے (دیکھئے لسان العرب ج ۲ ص ۴۹۴) مثلاً ہجرت حج، جہاد وغیرہ کا سفر۔ مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ توبہ نوٹ ۲۰۵۔

۷۔ شوہر آشنا عورتیں جن کی طلاق ہوگئی ہو یا جن کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو، غیر معمولی خوبیوں کی حامل ہو سکتی ہیں اور اس بنا پر وہ قدر کی مستحق ہیں۔

۸۔ یعنی جہنم کی آگ سے اپنے کو بھی بچانے کا سامان کرو اور اپنے اہل و عیال کو بھی بچانے کی کوشش کرو۔ ایک مسلمان کی اپنے گھر والوں کے تعلق سے ذمہ داری بہت بڑی ہے۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو ان باتوں سے خبردار کرے، جو جہنم میں لے جانے والی ہیں۔ انہیں دین کی صحیح معلومات بہم پہنچائے۔ اللہ کے احکام سے انہیں واقف کرائے، فرائض بالخصوص نماز کی پابندی کی تاکید کرے، برائیوں سے بچنے کی ہدایت کرے اور گھر کا ماحول ایسا بنائے کہ بال بچے صحیح اسلامی زندگی گزار سکیں۔ آج کل ٹی وی اور ویڈیو نے گھروں کا ماحول خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ ان چیزوں پر کنٹرول کی بہت زیادہ ضرورت ہے تاکہ کوئی بُری چیز گھر میں دیکھی نہ جاسکے۔

بچوں کی ایسی تعلیم جس سے ان میں دینی شعور پیدا ہو اور ان کی ایسی تربیت کہ ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی پیدا ہو۔ نیک روی اختیار کریں اور شریف اور مہذب بن کر رہیں۔ یہ ہر مسلمان کی اپنے گھر کے تعلق سے ذمہ داری ہے، مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کو اپنے بچوں کے دنیوی مستقبل

کو ''روشن'' کرنے کی جتنی فکر ہے اتنی ان کو جہنم کے عذاب سے بچانے کی نہیں ۔ انہیں قیامت کے دن احساس ہوگا کہ انہوں نے اپنے بچوں کے تعلق سے کیسی غفلت برتی اور کس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔

۹۔ جہنم کا ایندھن ایک تو وہ انسان ہوں گے جو کفر کی موت مرے۔ دوسرے وہ پتھر ہونگے جو پوجے جاتے رہے۔ یعنی مشرکین اپنے بتوں سمیت جہنم میں جلتے رہیں گے، تا کہ انہیں احساس ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کی وہ پرستش کرتے رہے وہی ان کو جہنم میں لے کر پہنچے اور ان کیلئے جہنم کی آگ کو بھڑکا رہے ہیں۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۱۴۴۔

۱۰۔ فرشتوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے ایسے اطاعت گزار ہوتے ہیں کہ اس کے کسی بھی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ دوزخ پر جو فرشتے مامور ہوں گے وہ نہایت سخت مزاج اور سخت گیر ہوں گے، اسلئے وہ دوزخ والوں کے ساتھ کوئی نرمی برتنے والے نہیں۔ اور ان کو عذاب دینے کا جیسا کچھ حکم ہوگا اس کی وہ تعمیل کریں گے۔

اے ایمان والو! اللہ کے حضور توبہ کرو خالص توبہ۔ عجب نہیں کہ تمہارا
رب تمہاری برائیاں تم سے دور کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں
داخل کردے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ۔جس دن اللہ نبی کو
اوران لوگوں کو جواس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوانہیں کرے گا۔
ان کا نوران کے آگے اوران کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔وہ دعا
کررہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لئے مکمل
کردے۔اور ہمیں بخش دے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔(القرآن)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَا تَعْتَذِرُوا۟ ٱلْيَوْمَ ۖ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧﴾

۷ اے کافرو! آج عذر پیش نہ کرو۔ تمہیں ایسا ہی بدلہ دیا جارہا ہے جیسا تم عمل کرتے رہے۔ ۱۱؎

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِى ٱللَّهُ ٱلنَّبِىَّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَٰنِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَٱغْفِرْ لَنَآ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٨﴾

۸ اے ایمان والو! اللہ کے حضور توبہ کرو خالص توبہ ۱۲؎۔ عجب نہیں کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے دور کردے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ۱۳؎۔ جس دن اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ وہ دعا کررہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہمارا نور ہمارے لئے مکمل کردے ۱۴؎۔ اور ہمیں بخش دے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٩﴾

۹ اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو ۱۵؎۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ بہت بُری جگہ ہے پہنچنے کی۔

ضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱمْرَأَتَ نُوحٍ وَٱمْرَأَتَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَٰلِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا وَقِيلَ ٱدْخُلَا ٱلنَّارَ مَعَ ٱلدَّٰخِلِينَ ﴿١٠﴾

۱۰ اللہ کافروں کے لئے مثال بیان کرتا ہے نوح اور لوط کی بیویوں کی۔ دونوں ہمارے صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر انہوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی تو وہ اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ اور دونوں عورتوں سے کہہ دیا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔ ۱۶؎

وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱمْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ٱبْنِ لِى عِندَكَ بَيْتًا فِى ٱلْجَنَّةِ وَنَجِّنِى مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِۦ وَنَجِّنِى مِنَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١١﴾

۱۱ اور ایمان والوں کے لئے اللہ فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے۔ جب کہ اس نے دعا کی اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور فرعون اور اس کے عمل سے مجھے نجات دے اور نجات دے مجھے ظالم قوم سے۔ ۱۷؎

وَمَرْيَمَ ٱبْنَتَ عِمْرَٰنَ ٱلَّتِىٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِۦ وَكَانَتْ مِنَ ٱلْقَٰنِتِينَ ﴿١٢﴾

۱۲ اور مریم بنت عمران کی مثال پیش کرتا ہے جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔ اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزار لوگوں میں سے تھی۔ ۱۸؎

۱۱۔ یعنی جہنم جانے والے کافر اپنے کفر وشرک کے بارے میں عذرات پیش کرنے لگیں گے لیکن ان سے کہا جائے گا۔ کہ اب عذر پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جارہا ہے بلکہ تم اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہو۔

۱۲۔ ''**توبةً نصُوحا**'' خالص توبہ کا مطلب ہے ایسی توبہ جو سچے دل سے گناہ پر ندامت کے ساتھ اور آئندہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کے ارادہ سے کی گئی ہو۔ یہ حکم تمام اہلِ ایمان کو دیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اپنی پچھلی غلطیوں کو جو انہوں نے اپنے بال بچوں کے تعلق سے کی ہوں محسوس کریں اور اپنی اصلاح کریں۔

۱۳۔ سچی توبہ کی جزا یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ برائیوں کو مٹا دے گا اور جنت عطا فرمائے گا۔

۱۴۔ اس نور کی تشریح سورۂ حدید نوٹ ۲۲ میں گذر چکی۔

۱۵۔ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم اس مناسبت سے یہاں دیا گیا ہے کہ یہی لوگ تھے جو مسلم معاشرہ میں فتنے برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ منافقوں کے سلسلہ میں سخت حکم اس وقت نازل ہوا جب ان کی منافقت اور اسلام دشمنی بالکل کھل کر سامنے آگئی تھی۔ ایسے کھلے منافقوں کو جو سوسائٹی میں فتنہ اور فساد برپا کرتے رہتے تھے قتل تک کی سزا دینے اور جہاں ان کی کوئی جمعیت ہو ان سے جنگ کرنے کی ہدایت دی گئی، تاکہ اسلامی معاشرہ کو ان مفسد عناصر سے پاک کیا جاسکے۔ منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم غزوۂ تبوک کے بعد ۹ھ میں نازل ہوا تھا۔ دیکھئے سورۂ توبہ آیت ۷۳ نوٹ ۱۴۲۔

۱۶۔ حضرت نوح اور حضرت لوط نبی تھے۔ ان کی بیویوں نے ان کے ساتھ خیانت (بے وفائی) کی۔ یہ خیانت دین کے معاملہ میں تھی۔ یعنی انہوں نے ان پیغمبروں کے دین کو دل سے قبول نہیں کیا اور کافروں کی حامی بنی رہیں۔ نتیجہ یہ کہ وہ عذاب کی مستحق ہوگئیں اور یہ پیغمبر ان کو عذاب سے نہ بچا سکے۔

ان دو عورتوں کی مثال میں بہت بڑی عبرت ہے، اور وہ یہ کہ اللہ کے یہاں جزا و سزا کا معاملہ عمل کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں رشتہ داریاں کچھ بھی کام نہ آئیں، یہاں تک کہ ایک نبی کی بیوی بھی اگر کافرہ ہے تو وہ سزا سے نہیں بچ سکتی۔ حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویاں اگر چاہتیں تو ان پیغمبروں کی صحبت سے فائدہ اٹھا کر بہت اونچا مقام حاصل کر سکتی تھیں مگر کفر اور بے وفائی نے ان کو جہنم میں پہنچا دیا۔

۱۷۔ اوپر دو کافر عورتوں کی مثال پیش کی گئی تھی۔ یہاں دو ایسی خواتین کی مثال پیش کی جارہی ہے جنہوں نے ایمان لا کر نہایت اعلیٰ کردار کا ثبوت دیا۔ جس کے صلہ میں ان کو نہایت بلند مقام حاصل ہوا۔ ان میں سے پہلی خاتون فرعون کی بیوی ہے جو فرعون کے ساتھ اس کے محل میں رہتی تھی، جہاں ہر قسم کی عیش و عشرت کا سامان تھا۔ لیکن وہ ایمان لائی تھی اس لئے کفر کا یہ ماحول اسے پسند نہیں تھا لہٰذا محل میں رہتے ہوئے بھی وہ گھٹن کی زندگی گزار رہی تھی اس کے دل سے جو دعا نکلی وہ اس کے ایمانی جذبات اور آخرت پر یقین کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے آخرت کا گھر مطلوب ہے تو میرے لئے اپنے پاس گھر بنا دے اور اس کافرانہ اور ظالمانہ ماحول سے مجھے نجات دے۔ وہ فرعون کے پاس رہنے کے لئے مجبور تھی اور اس کی صحبت میں رہنے سے اس کی بہت سی غلط باتیں بھی اس کو برداشت کرنا پڑ رہی ہوں گی۔ یہ اس کے لئے سخت آزمائش تھی اس لئے اس نے فرعون اور اس کے عمل سے نیز اس ظالم قوم سے جس کا سربراہ فرعون تھا نجات کے لئے دعا کی۔

اس مثال سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ایک مسلمان خواہ وہ مرد ہو یا عورت اگر کافروں یا ظالموں کے ماحول میں گھر گیا ہو تو اس کا ایمان اس کو اس سے متنفر کردے گا اور وہ اس کی آلائشوں سے بچنے کی کوشش کے ساتھ اللہ سے نجات کے لئے دعا کرے گا۔

۱۸۔ یہ دوسری مؤمن خاتون کی مثال ہے جو صداقت اور عصمت وعفت کا پیکر تھیں۔ یہ تھیں عمران کی بیٹی حضرت مریم۔ ان کو ایک غیر معمولی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ وہ کنواری تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو بھیج کر ان کے اندر روح پھونک دی جس سے وہ حاملہ ہوگئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوگئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا معجزہ تھا جو حضرت مریم کے ذریعہ ظہور میں آیا لیکن اس سلسلہ میں انہیں قوم کی طرف سے بہت کچھ سننا اور برداشت کرنا پڑا۔ انہوں نے اس نازک موقع پر بڑے تحمل سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکیزگی غیر معمولی طریقہ سے ظاہر کردی۔

حضرت مریم نے ان کلمات کی بھی تصدیق کی جو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعہ ان پر القا کئے تھے۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی ولادت کی خوشخبری دی تھی اور ان کے تولد کے موقع پر نیز اس کی فوراً بعد انہیں خصوصی ہدایت دی گئی تھیں۔ جن کا ذکر سورہ مریم میں ہوا ہے۔ وہ ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتی تھیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ اور انہوں نے ایک اطاعت شعار مؤمنہ کی حیثیت سے زندگی بسر کی تھی۔ ان کی عظمت کا نشان ان کا یہی مضبوط اور اعلیٰ کردار ہے۔ اور اس کردار ہی نے ان کو بلند ترین مقام پر فائز کیا۔

٦۷۔ المُلک

نام سورہ کے آغاز ہی میں اللہ کی بادشاہی (**مُلک**) کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''**المُلک**'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ شروع دور میں، جبکہ مخالفت کا آغاز ہوا تھا نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون خدا اور آخرت سے غافل انسانوں کو چونکا دینا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۵ میں موت وحیات کا مقصد بیان کرتے ہوئے آسمان وزمین کی تخلیق اور اس کے نظام پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، جس سے کائنات کے خالق کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ انسان کی یہ زندگی، ایک امتحانی زندگی ہے۔

آیت ٦ تا ۱۱ میں قرآن کی پیش کردہ حقیقتوں کا انکار کرنے والوں کا اخروی انجام بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۱۲ تا ۱۴ میں ان لوگوں کا حسنِ انجام بیان کیا گیا ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ انسان کی ہر کھلی اور چھپی بات کو جانتا ہے۔اور اس سے کوئی بات اور کوئی عمل خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو چھپا نہیں رہ سکتا۔

آیت ۱۵ سے اخیر سورہ تک انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے اسے غفلت سے چونکانے کا سامان کیا گیا ہے۔اگر انسان آنکھیں کھول کر اس کائنات کا مشاہدہ کرے گا تو قرآن کے پیش کردہ حقائق کی صداقت اس پر روشن ہوگی۔اور وہ اپنے مقصدِ زندگی سے آشنا ہوجائے گا۔

سُوْرَةُ الْمُلْكِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ①

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ②

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ③

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ④

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ⑤

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۙ ⑦

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨

٦٧۔ سُورَۃُ المُلک

آیات۔ ۳۰

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

[۱] بڑا بابرکت ہے ۱۔ وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے ۲۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

[۲] جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے ۳۔ وہ غالب بھی ہے اور مغفرت فرمانے والا بھی۔ ۴۔

[۳] جس نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے ۵۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی خلل نہ پاؤ گے ۶۔ پھر نگاہ دوڑاؤ کہیں تمہیں نقص نظر آتا ہے؟

[۴] پھر بار بار نگاہ دوڑاؤ تمہاری نگاہ تھک کر ناکام واپس آئے گی۔ ۷۔

[۵] ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے اور ان کو شیاطین پر مار کا ذریعہ بنایا ہے ۸۔ اور ان کے لئے بھڑکتی آگ کا عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔ ۹۔

[۶] جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ۱۰۔ ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

[۷] جب وہ اس میں پھینکے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی آواز سنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی۔ ۱۱۔

[۸] شدتِ غضب سے پھٹی جاتی ہوگی ۱۲۔ ہر بار جب کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا تھا؟ ۱۳۔

[۹] وہ جواب دیں گے ہاں خبردار کرنے والا ہمارے پاس آیا تھا۔ لیکن ہم نے اسے جھٹلا دیا اور کہا اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے۔ تم لوگ بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ فرقان نوٹ ۱۔

۲۔ یعنی جس کے ہاتھ میں کائنات کی باگ دوڑ ہے اور جس کی فرمانروائی عظیم الشان ہے۔

۳۔ انسان کی موت وحیات کا سلسلہ یونہی نہیں چل رہا ہے، بلکہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں پیدا فرمائی ہیں اور ان کی تخلیق میں عظیم مصلحت کارفرما ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کو دنیا میں امتحانی زندگی سے گزارا جائے۔ اسے نیک کردار یا بدکردار بننے کا موقع دیا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ کون اپنے آپ کو نیک کردار ثابت کرتا ہے۔ جو لوگ نیک اوصاف بنیں گے وہ انسانیت کا جوہر ہوں گے، اللہ ان کا قدرداں ہوگا اور وہ ان کو ایسے انعامات سے نوازے گا کہ وہ نہال ہو جائیں گے۔ اور جو عمل کے اعتبار سے جتنا بہتر ہوگا اتنا ہی اونچا مقام وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پائے گا۔ یہ بہت بڑا مثبت مقصد ہے جس کیلئے دنیا کی زندگی امتحانی بنائی گئی ہے۔

آیت میں موت کا ذکر حیات سے پہلے کیا گیا ہے جو موقع کی مناسبت سے ہے۔ موت بہت زیادہ تلخ ہوتی ہے جب کہ زندگی تلخ بھی ہوتی ہے اور شیریں بھی۔ موت کی تلخی ہی کا تصور ہے جو غفلت سے چونکانے کا کام کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتَ۔ (ترمذی ابواب الزھد)

''لذتوں کو ختم کرنے والی چیز کو یاد کرو'' یعنی موت کو۔

پھر موت میں اس پہلو سے بھی امتحان ہے کہ انسان حرام موت مرتا ہے یا حلال۔ مصائب سے بیزار آ کر خودکشی کرتا ہے یا طبعی موت مرتا ہے، اپنے آپ کو حرام مقاصد کے لئے قربان کرتا ہے یا اللہ کی راہ میں شہید ہوتا ہے۔

۴۔ وہ غالب ہے اس لئے اس کی گرفت سے ڈرو اور وہ مغفرت فرمانے والا ہے اس لئے اس کی مغفرت کی طرف دوڑو۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی گرفت سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارو اور اپنے قصوروں کے لئے اس سے معافی کے خواستگار رہو تو وہ ضرور تمہیں معاف کرے گا۔

۵۔ یہ آسمان جو زمین کے اوپر ہر طرف پھیلا ہوا ہے پہلا آسمان ہے۔ ہم اس خول کے اندر بند ہیں۔ اگرچہ اس خول میں بڑی بڑی کہکشائیں ہیں اور ایسے ستارے بھی ہیں جو ہزاروں نوری سال کی دوری پر ہیں۔ اس وسعت کے باوجود یہ کائنات اس خول تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس طرح سات آسمانوں والی یہ کائنات نہایت وسیع ہے۔ سات آسمانوں کے تصور سے اس کائنات کی وسعت کا ایک ہلکا سا تصور قائم ہوتا ہے، ورنہ اس کی وسعت کا صحیح اندازہ کرنے سے ہم قاصر ہیں۔

سائنس کی رسائی پہلے آسمان تک بھی نہیں ہو سکی ہے جس خول میں ہم بند ہیں اسی کے اندر وہ اپنی جولانیاں دکھا رہی ہے۔

۶۔ رحمٰن کی تخلیق، فرمانے میں یہ بات مضمر ہے کہ آسمانوں کی یہ تخلیق اللہ کی رحمت کا ظہور ہے۔ اور اس تخلیق کا کمال یہ ہے کہ اس میں ذرا بھی کوئی چیز غیر مناسب نہیں ہے۔ آسمانی دنیا کا مشاہدہ کرو۔ نہایت وسیع اور خوبصورت چھت ہے جو اپنے قمقموں کے ساتھ جمالیاتی منظر پیش کرتی ہے۔ اس میں بے شمار اجرام فلکی ہیں، لیکن ہر چیز اپنی جگہ موزوں ہے۔ نقص کی کسی جگہ بھی نشاندہی نہیں کی جا سکتی۔

یہ مضمون سورۂ ق آیت ۶ میں بھی گزر چکا۔

۷۔ آسمان کا مشاہدہ کرنے کی بار بار دعوت دی گئی ہے اور چیلنج کے ساتھ کہا گیا ہے کہ تمہاری نگاہیں تھک جائیں گی، لیکن تم اس فلکیاتی دنیا میں کسی نقص کی نشاندہی نہ کر سکو گے۔ ماہرین فلکیات بڑی بڑی دوربینوں کے ذریعہ اجرام فلکی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں لیکن وہ کہیں کسی نقص کی نشاندہی نہیں کر سکے۔

پھراس کاریگری کا کمال یہ ہے کہ اس کی تخلیق کو نہایت طویل زمانہ گزرنے کے باجود اس میں کوئی فرسودگی اور خرابی پیدا نہیں ہوئی۔کیا یہ ایک خالق کے کمالِ قدرت کی واضح نشانی نہیں ہے؟

۸۔ ستارے ایک طرف آسمان کا پُر جمال منظر پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف ان سے آگ کے شعلے (شہاب) نکلتے ہیں، جو آسمان کی طرف پرواز کرنے والے شیاطین کا پیچھا کرتے ہیں اور ان کی مار ان پر پڑتی ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۱۶۔

۹۔ یعنی ان شیاطین کے لئے آخرت میں بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔وہ اس جہنم میں جھونک دئے جائیں گے۔شیاطین کے اس انجام سے خبردار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کے فریب میں آکر اوران کے پیچھے چل کر اسی انجام کو نہ پہنچ جائیں۔

۱۰۔ اپنے رب سے کفر کرنے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ آدمی خدا کے وجود کا انکار کرے، بلکہ اس کا مطلب خدا کو اس کی تمام صفات کے ساتھ نہ ماننا ہے۔دنیا کی بہت بڑی اکثریت خدا کے وجود کی قائل ہے۔لیکن قرآن اس کی جو صفات بیان کرتا ہے مثلاً اس کا قادرِ مطلق ہونا، معبود ہونا، مدبر ہونا، فرمانروائے کائنات ہونا، ہادی ہونا، عادل ہونا، جزا وسزا دینے والا ہونا وغیرہ ان کا وہ انکار کرتی ہے۔اس لئے ان کا خدا کو ماننا کوئی معنی نہیں رکھتا وہ اس کی صفات کا انکار کر کے کافر بنتے ہیں۔

۱۱۔ یہ جہنم کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی تصویر ہے۔اس کا جوش مارنا اور دھاڑنا کس غضب کا ہوگا۔

۱۲۔ دنیا میں انسان ایک بم کے دھماکے کی آواز برداشت نہیں کر پاتا پھراس کا کیا حال ہوگا اگر وہ جہنم میں جھونک دیا گیا جس میں ایسے شدید دھماکے ہوں گے کہ وہ پھٹ پڑنے کو ہوگی۔

۱۳۔ یعنی اللہ کا رسول جو تمہیں اس دن سے خبردار کرتا۔

تم اپنی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو۔ وہ تو دلوں کے راز بھی
جانتا ہے۔ کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ بڑا
باریک بیں اور خبر رکھنے والا ہے۔ (القرآن)

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾

۱۰ اور وہ کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم دوزخ والوں میں شامل نہ ہوتے۔ ۱۴؎

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾

۱۱ اس طرح وہ اپنے گناہ کا اعتراف کریں گے، تو لعنت ہے دوزخیوں پر۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾

۱۲ جو لوگ بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ ۱۵؎

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾

۱۳ تم اپنی بات کو چھپاؤ یا ظاہر کرو۔ وہ تو دلوں کے راز بھی جانتا ہے۔ ۱۶؎

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾

۱۴ کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے ۱۷؎؟ وہ بڑا باریک بیں اور خبر رکھنے والا ہے۔ ۱۸؎

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

۱۵ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو تابع بنایا ۱۹؎۔ چلو اس کے کندھوں پر ۲۰؎، اور کھاؤ اللہ کے رزق میں سے ۲۱؎۔ اسی کے حضور اٹھ کھڑے ہونا ہے۔ ۲۲؎

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

۱۶ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے ۲۳؎، بے خوف ہو گئے ہو کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور وہ یکا یک ہلنے لگے۔ ۲۴؎

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾

۱۷ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو گئے ہو کہ تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے ۲۵؎؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے کہ میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾

۱۸ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، تو دیکھ لو کیسا رہا میرا عذاب۔ ۲۶؎

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰۗفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ڼ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

۱۹ کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو پَر پھیلائے اور ان کو سمیٹتے ہوئے نہیں دیکھا؟ رحمٰن کے سوا کوئی نہیں جو ان کو تھام لیتا ہو ۲۷؎۔ وہی ہر چیز کا نگراں ہے۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾

۲۰ بتاؤ تمہارے پاس وہ کونسا لشکر ہے جو رحمٰن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کر سکے گا؟ ۲۸؎ یہ کافر دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

۲۱ بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنا رزق روک لے ۲۹؎؟ درحقیقت یہ لوگ سرکشی اور (حق سے) بیزاری پر اڑ گئے ہیں۔ ۳۰؎

۱۴۔ کافروں کو جہنم میں پہنچ کر احساس ہوگا کہ ہم نے دنیا میں رسول کی نصیحت سننے کے لئے اپنے کان بند کر لئے تھے اور اپنی عقل کو بھی معطل کر رکھا تھا۔ اگر ان صلاحیتوں کا ہم نے صحیح استعمال کیا ہوتا تو آج اس انجام کو نہ پہنچتے۔

۱۵۔ اوپر کافروں کا انجام بیان ہوا تھا۔ اس آیت میں اللہ سے ڈرنے والوں کو خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کے لئے بہترین انعام ہے۔

اپنے رب سے ڈرنا جبکہ وہ دکھائی نہیں دیتا ایک مؤمن کی بہت بڑی خصوصیت ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ ق نوٹ ۳۹۔

۱۶۔ اس لئے اس سے نہ کوئی چھوٹے سے چھوٹی نیکی چھپی رہ سکتی ہے اور نہ چھوٹے سے چھوٹی بدی۔ اور نہ اس سے نیتیں، ارادے اور اچھے اور بُرے جذبات پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔

۱۷۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ اپنے بندوں کا حال پوری طرح جانتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ وہ ان کا خالق ہے اور یہ بات کس طرح ممکن ہے کہ جو خالق ہے وہ اپنی مخلوق سے لاعلم ہوگا۔

۱۸۔ یعنی وہ جزئی سے جزئی بات کو جانتا ہے۔ اس کا علم اتنا گہرا ہے کہ کوئی باریک سے باریک چیز بھی اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ جزئیات اور کلیات سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

۱۹۔ یعنی زمین کو اس قابل بنایا کہ تم اس پر چلو پھرو، رہو بسو اور کھیتی باڑی کرو۔

۲۰۔ یعنی اس کی بلندیوں پر چلو پھرو۔ زمین کی بلندیوں کو اس کے کندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور بلندیوں پر چلنے پھرنے کا ذکر اس مناسبت سے ہوا ہے کہ یہ بات اس کے تابع ہونے کے پہلو کو بخوبی واضح کرتی ہے۔ ورنہ زمین کی پست راہوں میں چلنا تو واضح ہی ہے۔

۲۱۔ یعنی رزق کا جو سامان اللہ نے تمہارے لئے زمین میں پھیلا دیا ہے اس میں سے کھاؤ۔

۲۲۔ مگر یہ بات نہ بھولو کہ ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے اور ان نعمتوں کے بارے میں جوابدہی کرنا ہے اور پھر اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پانا ہے۔

۲۳۔ اللہ کا آسمان میں ہونا اس کے مرتبہ کی تعبیر ہے۔ ایک عام آدمی خدا کے لئے آسمان ہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور یہ تعبیر اس لحاظ سے بھی صحیح ہے کہ اللہ کا عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ ورنہ دوسرے پہلو سے دیکھئے تو اللہ ہر جگہ ہے۔ وہ لامحدود اور لامکاں ہے۔

۲۴۔ اس آیت میں اور اس کے بعد کی چند آیتوں میں لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے اور ان کو غفلت سے چونکانے کا سامان کیا گیا ہے۔ کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ اللہ کسی وقت بھی زمین کو زلزلہ سے مضطرب کر دے اور اس پر رہنے والے اس کے اندر دھنس جائیں؟ یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ اس قسم کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے اور آج بھی کسی نہ کسی علاقہ میں زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوتے رہتے ہیں اور بستیاں الٹ جاتی ہیں۔

یہ سطریں جب لکھی جا رہی ہیں مہاراشٹر کے ضلع لاتور اور عثمان آباد میں زلزلے (بھوکم) کی تباہی کا واقعہ بالکل تازہ ہے۔ چند سکنڈ کے جھٹکے میں تیس ہزار لوگ موت کی نیند سو گئے اور کئی بستیاں تقریباً نابود ہو گئیں، جن میں سے ایک کلیری گاؤں ہی میں پانچ ہزار افراد کے مکانات قبرستان بن گئے اور وہ ان کے ملبہ کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے۔ یہ اور اس قسم کے واقعات جو آئے دن کسی نہ کسی علاقہ میں رونما ہوتے رہتے ہیں کیا انسان کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ مگر انسان کی غفلت اتنی شدید ہے کہ وہ ایسے واقعات کی مختلف توجیہیں کرتا ہے اور ان میں عبرت کا جو پہلو ہے اس سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کو ہدایت کس طرح مل سکتی ہے؟

۲۵۔ قومِ لوط پر کنکروں کی بارش ہوئی تھی۔ عذاب اس شکل میں بھی نمودار ہوسکتا ہے اور سخت آندھی کی شکل میں بھی جس میں بالو ہو۔

۲۶۔ اشارہ ہے قومِ عاد، ثمود، قومِ لوط اور قومِ فرعون کی طرف۔

۲۷۔ ہوا میں کسی سہارے کے بغیر پرندوں کا اپنے پرَوں کو پھیلا کر اڑنا اور اڑتے ہوئے ان کو سکیڑ لینا اور اس حالت میں ان کا زمین پر نہ گرنا کتنا عجیب ہے؟ ایک دانا و بینا شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہے گا کہ یہ خدائے رحمٰن کی رحمت ہی کا ظہور ہے۔

۲۸۔ یعنی کوئی شخص لاؤ لشکر والا بھی ہو تو وہ اللہ کے عذاب سے کہاں بچ سکتا ہے۔ فرعون کو اس کے غرق ہونے سے اس کا عظیم لشکر نہ بچا سکا، بلکہ وہ بھی اس کے ساتھ غرق ہو گیا۔

مشرکین اپنے معبودوں کو اپنا محافظ خیال کرتے ہیں۔ مگر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو یہ سب غائب ہو جاتے ہیں۔

۲۹۔ رزاق اللہ ہی ہے۔ وہ اگر رزق روک دے تو کوئی نہیں جو رزق دے سکے۔ مثال کے طور پر بارش کو جو رزق کا ذریعہ ہے اگر اللہ روک دے تو کون ہے جو بارش برسائے۔

۳۰۔ یعنی ان سب باتوں میں جن کا یہ رات دن مشاہدہ کرتے ہیں توحید کی نشانیاں بالکل نمایاں ہیں۔ لیکن یہ لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ وہ اللہ کی اطاعت قبول نہیں کریں گے، بلکہ اپنی من مانی کریں گے۔ انہیں حق سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ اس سے نفرت ہے۔ کیونکہ حق کو قبول کرنے کی صورت میں وہ اپنی من مانی نہیں کرسکتے۔

کہو وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے لئے
کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ (مگر) تم کم ہی شکر
ادا کرتے ہو۔ (القرآن)

أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِۦٓ أَهْدَىٰٓ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢٢﴾	۲۲ کیا وہ شخص جو اوندھے منہ چل رہا ہو راہ پانے والا ہے یا وہ جو ایک سیدھی راہ پر سیدھا چل رہا ہے؟ ۳۱؎
قُلْ هُوَ ٱلَّذِيٓ أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَٱلْأَفْـِٔدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٢٣﴾	۲۳ کہو وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ (مگر) تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔ ۳۲؎
قُلْ هُوَ ٱلَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي ٱلْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾	۲۴ کہو وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ ۳۳؎
وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا ٱلْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٢٥﴾	۲۵ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ ۳۴؎
قُلْ إِنَّمَا ٱلْعِلْمُ عِندَ ٱللَّهِ وَإِنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾	۲۶ کہو اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے ۳۵؎۔ میں تو بس کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔
فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيٓـَٔتْ وُجُوهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَقِيلَ هَٰذَا ٱلَّذِي كُنتُم بِهِۦ تَدَّعُونَ ﴿٢٧﴾	۲۷ جب وہ اس کو ۳۶؎ قریب دیکھ لیں گے تو ان لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے، جنہوں نے انکار کیا ہے۔ اور ان سے کہا جائے گا یہی ہے وہ چیز جو تم طلب کر رہے تھے۔
قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ ٱللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ ٱلْكَٰفِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٨﴾	۲۸ کہو تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا؟ ۳۷؎
قُلْ هُوَ ٱلرَّحْمَٰنُ ءَامَنَّا بِهِۦ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٢٩﴾	۲۹ کہو وہ رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے ۳۸؎۔ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے۔
قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍۭ ﴿٣٠﴾	۳۰ کہو تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تمہارا پانی نیچے اتر جائے تو کون ہے جو تمہارے لئے بہتا ہوا پانی لے آئے؟ ۳۹؎

۳۱۔ یہ مثال ہے اس شخص کی جو گمراہی کی راہ چلتا ہے اور اس کی جو ہدایت کی راہ چلتا ہے۔اپنی فطرت کے خلاف چلنے والا شخص ہمیشہ الٹا چلتا ہے اور حیوان کی طرح زمین ہی پر سر جھکائے رہتا ہے۔لیکن اپنی فطرت (جس میں توحید کا داعیہ مضمر ہے) پر چلنے والا شخص ہمیشہ سیدھا چلتا ہے اور اس کی نگاہیں بلندی کی طرف اٹھتی ہیں۔

۳۲۔ یعنی اللہ نے سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں اس لئے عطا کی ہیں تا کہ تم ان کی قدر کرو اور ان کا صحیح استعمال کر کے اس کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔مگر لوگوں میں یہ احساس کم ہی پایا جاتا ہے، وہ اللہ کی اس بخشش کی قدر نہیں کرتے اور ان صلاحیتوں کو حق بات سننے، حق کو دیکھنے اور حق بات سمجھنے کے لئے استعمال نہیں کرتے۔

۳۳۔ اللہ ہی نے اربوں انسانوں کو زمین پر آباد کیا ہے، اور اس لئے کیا ہے تا کہ ان کو امتحانی زندگی سے گزارا جائے اور پھر قیامت کے دن سب کو زندہ کر کے اپنے حضور جوابدہی کے لئے اکٹھا کیا جائے۔

۳۴۔ یعنی قیامت کی گھڑی کب آئے گی؟

۳۵۔ اس کی تشریح سورۂ لقمان نوٹ ۶۰۔ میں گزر چکی۔

۳۶۔ یعنی عذاب کو۔

۳۷۔ کفار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی ہلاکت کے خواہشمند تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ کب ان کا خاتمہ ہوتا ہے۔اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہنے کی ہدایت ہوئی کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو موت دے بھی دیتا ہے تو تم اپنے کفر کی سزا سے کس طرح بچ سکو گے؟ ہمارے جلد یا بہ دیر مرنے سے تم اللہ کے عذاب سے نجات نہیں پا سکتے جبکہ تم اپنے کفر پر جمے ہوئے ہو۔

۳۸۔ اس سورہ میں رحمٰن کا لفظ کئی بار آیا ہے، جو اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس کے آثارِ رحمت کو دیکھو، جو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور اس پر ایمان لا کر اس کی رحمت کے مستحق بن جاؤ۔اخیر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی یہ اعلان فرمایا گیا کہ ہم اس خدائے رحمٰن پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کر کے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا ہے لہٰذا اس کی طرف سے جو ہدایت ملتی ہے ہم اسی کی پیروی کرتے ہیں۔

۳۹۔ سورہ کے خاتمہ پر اللہ کی ربوبیت پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے تا کہ شکر کا جذبہ ابھرے۔فرمایا پانی کے یہ جاری چشمے جو تمہارے لئے عظیم نعمت اور تمہاری زندگی کے لئے نہایت ضروری ہیں اگر خشک ہو جائیں اور ان کا پانی زمین میں اتنا گہرا اتر جائے کہ تم اس کو حاصل نہ کر سکو تو کون ہے، جو تمہارے لئے پانی کے چشمے جاری کر دے گا؟ اگر اللہ کے سوا کسی کے بس میں یہ بات نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ نہیں ہے۔تو پھر اپنے حقیقی رب کو چھوڑ کر دوسروں کو جو بالکل بے اختیار ہیں کیوں اپنا رب اور معبود بناتے ہو؟

سورۂ القلم

۶۸۔ القلم

نام آغاز میں قلم کا ذکر ہوا ہے اس مناسبت سے اس سورہ کا نام 'القلم' ہے

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی، جب کہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی اور رسالت کے دعوے کی بنا پر دیوانہ قرار دیا۔

مرکزی مضمون جو لوگ وحی و رسالت کی ناقدری کرتے ہیں اور رسول کو دیوانہ قرار دیتے ہیں، انہیں ان کے دنیوی اور اخروی انجام سے خبردار کردینا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۱۶ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ آپ کس پایہ کی شخصیت ہیں۔ اور وہ لوگ جو آپ کی مخالفت میں پیش پیش ہیں اور آپ کو دیوانہ قرار دے رہے ہیں کس قماش کے لوگ ہیں اور کیسی گراوٹ میں مبتلا ہیں۔

آیت ۱۷ تا ۳۳ میں ایک باغ والوں کی مثال عبرت کے لئے پیش کی گئی ہے، جنہوں نے اللہ کی ناشکری کی۔ جس کے نتیجہ میں وہ باغ کی نعمت سے محروم ہو کر رہ گئے۔

آیت ۳۴ تا ۳۶ میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اور اس بات کی نامعقولیت کو واضح کیا گیا ہے کہ منکرینِ آخرت کی نظر میں مسلم اور مجرم سب برابر ہیں۔

آیت ۳۷ تا ۴۱ میں منکرین کے موقف کا غلط ہونا واضح کیا گیا ہے۔

آیت ۴۲ اور ۴۳ میں انکار کرنے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ آج انہیں اللہ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ انکار کرتے ہیں۔ لیکن ایک دن آنے والا ہے جب لوگوں کو سجدہ کرنے کے لئے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے اور ان پر ذلت طاری ہوگی۔

آیت ۴۴ تا ۴۷ میں اللہ کی تدبیر سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے ان کی نامعقولیت ان پر واضح کی گئی ہے۔

آیت ۴۸ تا ۵۰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی مخالفت پر صبر کرنے کی تلقین ہے۔

آیت ۵۱ اور ۵۲ سورہ کی اختتامی آیتیں ہیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ آپ جو کلام پیش کررہے ہیں وہ دیوانگی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کلامِ الٰہی ہے جو تمام انسانوں کے لئے سرتاسر نصیحت ہے۔

سُوْرَةُ الْقَلَمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾
مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾
فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۙ﴿۵﴾
بِاَيِّىكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾
فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾
وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾
وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۱۰﴾
هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۙ﴿۱۱﴾
مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۱۲﴾
عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ﴿۱۳﴾
اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۭ﴿۱۴﴾
اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾
سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾

۶۸۔ سُوْرَۃُ الْقَلَمِ

آیات۔ ۵۲

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ نون ۱۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے وہ لکھتے ہیں۔ ۲۔

۲ تم اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔ ۳۔

۳ اور تمہارے لئے یقیناً ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ ۴۔

۴ اور بے شک تم عظیم اخلاق کے مرتبہ پر ہو۔ ۵۔

۵ تو عنقریب تم بھی دیکھ لوگے اور وہ بھی دیکھ لیں گے۔

۶ کہ تم میں سے کون جنون میں مبتلا ہے۔ ۶۔

۷ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ اور وہ ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جنہوں نے ہدایت پائی ہے۔

۸ لہٰذا تم ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانو۔

۹ یہ تو چاہتے ہیں کہ تم نرم پڑو تو یہ بھی نرم پڑیں گے۔ ۷۔

۱۰ تم ایسے شخص کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ۸۔ اور ذلیل ہے۔

۱۱ طعنہ زنی کرنے والا ۹۔، چغل خور۔ ۱۰۔

۱۲ خیر سے روکنے والا ۱۱۔، زیادتی کرنیوالا ۱۲۔، گناہوں میں ملوث۔ ۱۳۔

۱۳ درشت خو ۱۴۔ اور پھر بدنام ہے۔ ۱۵۔

۱۴ (اس کا گھمنڈ) اس بنا پر ہے کہ وہ مال اور اولاد والا ہے۔ ۱۶۔

۱۵ جب ہماری آیتیں اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

۱۶ عنقریب ہم اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے۔ ۱۷۔

۱؎ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے جن کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۱؎ سورۂ یونس نوٹ ۱؎ میں گزر چکی۔

اس سورہ میں آیتوں کی ترتیب ایسی ہے کہ بیشتر آیتوں کا آخری حرف ''نون'' ہے اور سورہ کی اسی خصوصیت کی طرف یہ ''ن'' جو آغاز میں آیا ہے اشارہ کرتا ہے۔ اس میں قرآن کے اعجاز کا پہلو بھی ہے اور حفظ کرنے کے لئے سہل ہونے کا پہلو بھی۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس حرف کی تلاوت ایک پرکشش آہنگ پیدا کردیتی اور دل کلام کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

۲؎ نبی ﷺ پر قرآن کا جو بھی حصہ نازل ہوتا آپ اس کو لکھوانے کا انتظام فرماتے۔ کاتبانِ وحی اسے قلم سے چمڑے کی جھلیوں وغیرہ پر لکھتے۔ اس طرح قرآن قلم کے ذریعہ ضبطِ تحریر میں آرہا تھا اور اس کے اوراق کو پڑھ کر اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی طرف سے اطمینان حاصل کیا جاسکتا تھا۔ یہاں قلم اور کتابت کی جو قسم کھائی گئی ہے وہ قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی شہادت کے طور پر ہے اور جیسا کہ دوسری جگہ واضح کیا جاچکا ہے عربی میں ایسے موقع پر قسم شہادت اور دلالت کے معنی میں ہوتی ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا نزول اگرچہ ایک امی قوم میں ہوا ہے مگر اس بات کا پورا اہتمام کیا گیا ہے کہ وہ ضبطِ تحریر میں آئے اور لوگوں تک اللہ کا کلام اپنی اصل شکل میں پہنچے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ محفوظ ہوجائے۔ اب کوئی شخص بھی ان اوراق کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ اس کے مضامین خود شہادت دیتے ہیں کہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔

۳؎ نبی ﷺ کو یہ کافر دیوانہ قرار دیتے تھے اس بنا پر کہ آپ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ آسمان سے آپ پر وحی آتی ہے۔ ان کے اسی الزام کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی کہ اللہ کا رسول اس کے فضل سے دیوانہ نہیں ہے۔ بلکہ جو کلام وہ پیش کر رہا ہے وہ واقعی وحی ہے، جس کو اللہ نے اس پر نازل فرمایا ہے اور اس کے وحی ہونے کا ثبوت نفسِ کلام ہے، جس کی کتابت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۸؎۔

۴؎ یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے کہ کافروں کے اس الزام پر آپ صبر کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا اجر عطا فرمانے والا ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ یعنی ایسا انعام جو ہمیشہ باقی رہے گا۔

۵؎ نبی ﷺ اخلاق و سیرت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ مرتبہ پر تھے۔ ایسی عظیم شخصیت پر دیوانہ ہونے کا الزام لگانا بڑی نامعقول اور خلافِ واقعہ بات تھی۔ اس کی تردید میں یہاں آپ کی اخلاقی عظمت کے پہلو کو واضح کیا گیا ہے۔ کیا کوئی دیوانہ شخص اخلاق کے بلند معیار پر ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو آپ کا اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار اس الزام کی تردید کے لئے کافی ہے۔

قرآن و حدیث کے علاوہ تاریخ کے اوراق میں آپ کی سیرت بالکل محفوظ ہے اور اس تفصیل کے ساتھ محفوظ ہے کہ آج بھی ہم تاریخ کے اوراق میں آپ کی شخصیت کو اس طرح دیکھ سکتے ہیں کہ گویا آپ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ تاریخ کے یہ اوراق ایک ایسی شخصیت کو پیش کرتے ہیں جو آہنی عزم رکھنے والی، بلند کردار، پاک سیرت اور ایسی عظیم المرتبت ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

۶؎ یعنی عنقریب انجام تمہارے سامنے آئے گا اور تم دیکھ لوگے کہ کون دیوانہ پن میں مبتلا تھا۔ کافر جب اپنے انجام کو دیکھ لیں گے تو انہیں احساس ہوگا کہ وہ خود ہی پاگل پن میں مبتلا تھے۔ اپنے سچے خیر خواہ کی بات نہیں سنی اور اس انجام کو پہنچ گئے۔

۷؎ یعنی یہ جھٹلانے والے چاہتے ہیں کہ تم اپنے دین کے معاملہ میں نرم پڑو تو وہ بھی نرم پڑیں اور لے اور دے کے اصول پر کوئی سمجھوتہ ہوجائے۔ مگر دین کے معاملہ میں نرمی برتنے اور کسی دوسرے مذہب سے سمجھوتہ کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ سچا دین وہی ہے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس

میں جو کمی بیشی بھی کی جائے گی وہ اللہ پر افتراء (جھوٹ باندھنا) ہوگا اور اس کے بعد یہ دین خالص نہیں رہے گا۔

اس حکم کا منشاء کافروں پر یہ واضح کرنا تھا کہ اللہ کا رسول اس کے احکام کا پابند ہے اور اس سے یہ امید ہرگز نہ رکھیں کہ وہ دین کے معاملہ میں کسی مصالحت (Compromise) کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔ یہ ذمہ داری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں کی بھی ہے کہ وہ دین و شریعت کے معاملہ میں سخت رہیں اور کافروں کے آگے نہ جھکیں۔

۸۔ بہ کثرت قسمیں کھانے والا وہی شخص ہوتا ہے جو اپنا اعتماد کھو چکا ہوتا ہے۔ کافروں کے لیڈر جھوٹی قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے تھے کہ ان کا مشرکانہ اور بت پرستانہ مذہب سچا ہے اور اس شخص پر جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے وحی ہرگز نہیں آتی۔

۹۔ طعنہ زنی اور عیب چینی بہت بُری عادت ہے ۔ ایسا شخص دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ بدخصلت شخص نیک شخصیتوں پر بھی انگلیاں اٹھا رہا ہے۔

۱۰۔ یعنی فساد کی غرض سے ادھر کی باتیں ادھر لگانے والا۔ لوگوں کو آپس میں لڑانے کے لئے ان کی باتیں نقل کرنا اور ایک دوسرے کے بارے میں برے تاثرات پیدا کرنا بہت بری عادت اور مفسدانہ حرکت ہے۔ آیت کا خصوصی اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کردار کا شخص اہل ایمان کی باتوں کو غلط رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کر کے انہیں ان کے خلاف اکسا رہا ہے۔

۱۱۔ یعنی مال کو بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے سے روکنے والا۔ مراد بخیل ہے۔

۱۲۔ یعنی ظلم وزیادتی کرنے والا۔

۱۳۔ یعنی جائز اور ناجائز میں تمیز نہ کرنے والا فسق و فجور میں غرق۔

۱۴۔ یعنی سخت مزاج اور جھگڑالو۔

۱۵۔ یعنی اپنی بداخلاقی اور اپنے شر کی وجہ سے بدنام ہے اور سوسائٹی کا نہایت کمینہ شخص ہے۔

۱۶۔ یعنی اس کے گھمنڈ نے اس کے اندر یہ بری خصلتیں پیدا کیں۔ اور وہ گھمنڈ میں اس لئے مبتلا ہوا کہ اللہ نے اس کو مال اور اولاد بخشی ہے۔ حالانکہ اس پر اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا۔

ان آیتوں میں کسی مخصوص کافر کا حال نہیں بلکہ کفار کے لیڈروں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ایک طرف ایسی بداطوار اور کمینہ قیادت ہے جو دعوت اسلامی کے خلاف لوگوں کو اکسا رہی ہے اور دوسری طرف اللہ کے رسول کی قیادت ہے، جو نہایت بلندئ کردار اور اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہے۔ اب تم سوچ لو کہ تمہارا سچا قائد اور رہنما کون ہے؟

۱۷۔ یعنی اس کی ناک پر ذلت کا نشان لگائیں گے۔ وہ تکبر سے اپنی ناک اونچی رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ایسے شخص کی ناک انسان کی ناک نہیں بلکہ حیوان کی سونڈ ہے اور اس لائق ہے کہ اسے ذلت کا مزہ چکھایا جائے۔

وہ پکار اٹھے پاک ہے ہمارا رب۔ ہم ہی
قصوروار تھے۔ (القرآن)

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾	۱۷ ہم نے ان کو اسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا تھا ۱۸ـ جب انہوں نے قسم کھائی کہ صبح سویرے ضرور اس کے پھل توڑیں گے۔
وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾	۱۸ اور استثناء نہیں کر رہے تھے۔ ۱۹ـ
فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾	۱۹ وہ ابھی سوتے ہی پڑے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک گردش آئی۔ ۲۰ـ
فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾	۲۰ اور وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو کر رہ گیا۔ ۲۱ـ
فَتَنَادَوْا۟ مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾	۲۱ صبح انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔
أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ﴿٢٢﴾	۲۲ کہ اگر پھل توڑنے ہیں تو سویرے اپنی کھیتی پر پہنچ جاؤ۔ ۲۲ـ
فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ﴿٢٣﴾	۲۳ چنانچہ وہ نکل گئے اور چپکے چپکے کہتے جا رہے تھے۔
أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا ٱلْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾	۲۴ کہ آج کوئی مسکین اس میں تمہارے پاس داخل نہ ہونے پائے۔ ۲۳ـ
وَغَدَوْا۟ عَلَىٰ حَرْدٍ قَٰدِرِينَ ﴿٢٥﴾	۲۵ وہ صبح سویرے پختہ ارادے کے ساتھ نکلے کہ وہ ایسا کر سکیں گے۔ ۲۴ـ
فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا۟ إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿٢٦﴾	۲۶ مگر جب اس (باغ) کو دیکھا تو کہنے لگے ہم راستہ بھول گئے۔
بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾	۲۷ بلکہ ہم محروم ہو کر رہ گئے۔ ۲۵ـ
قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾	۲۸ ان میں جو شخص بہتر تھا اس نے کہا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ ۲۶ـ
قَالُوا۟ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾	۲۹ وہ پکار اٹھے پاک ہے ہمارا رب۔ ہم ہی قصوروار تھے۔ ۲۷ـ
فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ﴿٣٠﴾	۳۰ پھر وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ ۲۸ـ
قَالُوا۟ يَٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طَٰغِينَ ﴿٣١﴾	۳۱ انہوں نے کہا افسوس ہم پر! ہم ہی سرکش ہو گئے تھے۔ ۲۹ـ
عَسَىٰ رَبُّنَآ أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا رَٰغِبُونَ ﴿٣٢﴾	۳۲ امید ہے کہ ہمارا رب اس کے بدلہ میں ہمیں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے گا۔ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ۳۰ـ
كَذَٰلِكَ ٱلْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ ٱلْءَاخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾	۳۳ اس طرح ہوتا ہے عذاب ۳۱ـ اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے!

۱۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے کفارِ مکہ کو آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ اگر وہ آپ کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں تو ان پر دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ کھلے گی۔ اور اگر وہ انکار کرتے ہیں تو ان پر دنیا میں بھی عذاب آئے گا اور آخرت میں بھی انہیں ابدی عذاب بھگتنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں عبرت کے لئے ایک باغ والوں کی مثال پیش کی گئی ہے۔ یہ مثال کسی فرضی قصہ کی نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ کی ہے جو حقیقۃً پیش آیا تھا۔ آگے باغ والوں کی جو گفتگو نقل ہوئی ہے وہ اس کے واقعہ ہونے کی شہادت دیتی ہے۔

۱۹۔ یعنی قسم کھا کر پورے وثوق کے ساتھ انہوں نے کہا کہ وہ صبح سویرے باغ کے پھل توڑیں گے اور انشاء اللہ (اگر اللہ نے چاہا تو) نہ کہا۔ وہ اللہ کو بھول گئے اور خدا اعتمادی کو چھوڑ کر خود اعتمادی کے فریب میں مبتلا ہو گئے۔

۲۰۔ یعنی اسی رات جب وہ سوتے پڑے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ پر آفت نازل کردی۔

۲۱۔ وہ آفت ایسی تھی کہ پورا باغ تہس نہس ہو کر رہ گیا۔

۲۲۔ باغ میں کاشت کے لئے بھی قطعات ہوتے ہیں اس لئے اس کو کھیتی کہا گیا۔

۲۳۔ یہ ان کی طرف سے سخت بخل کا اظہار تھا۔ وہ مسکینوں کا حق ادا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پیداوار میں مسکینوں کا حق رکھا ہے، جس کا داعیہ انسان کی فطرت میں موجود ہے اور وہ اسے ایک معروف کی حیثیت سے جانتا ہے اور شریعت میں اس کو ادا کرنے کی سخت تاکید آئی ہے۔ یہ تاکید سابقہ شریعتوں میں بھی رہی ہے۔

۲۴۔ یعنی وہ سارے پھل توڑ کر اپنے لئے رکھ لیں گے اور کسی محتاج کو پاس میں پھٹکنے کا موقع نہیں دیں گے۔

۲۵۔ جب باغ کو دیکھا تو اجڑ چکا تھا پہلے تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید ہم غلط جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ بعد میں انہیں احساس ہوا کہ باغ تو ان کا اپنا ہی ہے۔ لیکن وہ ایسا تباہ ہو گیا ہے کہ اب کاٹنے کے لئے کچھ بھی نہیں رہا۔ بس حسرت ہی حسرت رہ گئی۔

۲۶۔ ان باغ والوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ عطاء کی تھی اور وہ اللہ کا ذکر اور اس کی تسبیح کرنے والوں میں سے تھا۔ اس نے انہیں یاد دلایا کہ کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ اس نے بہت مختصر مگر جامع بات کہی۔ جو شخص اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اسے لازماً یاد کرتا ہے۔ وہ اس کی پاکی بیان کرتا ہے تو اپنے بندۂ عاجز ہونے کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ وہ غرورِ نفس میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ سارے کام اسی کے بھروسہ پر کرتا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے حقوق ادا کرتا ہے۔

۲۷۔ اس وقت انہیں احساس ہوا کہ باغ کی تباہی اللہ کا ظلم نہیں ہے وہ پاک ہے اس سے کہ وہ کوئی غلط کام کرے۔ اور اصل قصوروار ہم ہی تھے کہ اللہ کو بھول گئے تھے اس لئے ہمیں اپنے کرتوتوں کی سزا ملی۔

۲۸۔ یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے پر الزام عائد کرنے لگے کہ تم نے غلط مشورہ دیا اور ہم تمہاری باتوں میں آ گئے۔

۲۹۔ بالآخر انہوں نے اعتراف کیا کہ ہم ہی سرکش ہو گئے تھے جس کی سزا ہمیں ملی ہے اور اس پر انہیں افسوس بھی ہوا۔

۳۰۔ انہوں نے توبہ کی اور وہ اپنے رب کی طرف پُرامید ہو کر رجوع ہوئے۔

۳۱۔ یعنی سرکشی کے نتیجہ میں اللہ کا عذاب آتا ہے اور اچانک آتا ہے۔ جس طرح باغ پر آفت آئی اور باغ والے کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔ انہوں نے اپنے بہترین آدمی کی نصیحت کو قبول نہیں کیا اور اپنے انجام کو دیکھ لیا۔

کافر اس سے سبق حاصل کریں۔ ان کے درمیان اللہ کا رسول بہترین شخصیت ہے جو ان کی خیر خواہی کر رہا ہے لیکن اگر انہوں نے رسول کی نصیحت پر کان نہیں دھرا اور توحید کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوئے تو انہیں اپنی سرکشی کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں اس سے کہیں زیادہ سخت سزا بھگتنا ہوگی۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّٰتِ ٱلنَّعِيمِ ﴿٣٤﴾

۳۴ یقیناً متقیوں کے لئے ان کے رب کے پاس نعمت بھری جنتیں ہیں۔ ۳۲؎

أَفَنَجْعَلُ ٱلْمُسْلِمِينَ كَٱلْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾

۳۵ کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں جیسا کریں گے؟

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾

۳۶ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو! ۳۳؎

أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾

۳۷ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو۔

إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾

۳۸ کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہے جو تم پسند کرو گے؟ ۳۴؎

أَمْ لَكُمْ أَيْمَٰنٌ عَلَيْنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾

۳۹ یا تمہارے ساتھ ہمارے عہد و پیماں ہیں قیامت تک باقی رہنے والے کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہے جس کا تم فیصلہ کرو گے؟ ۳۵؎

سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾

۴۰ ان سے پوچھو ان میں سے کون اس کا ضامن ہے؟ ۳۶؎

أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَأْتُوا۟ بِشُرَكَآئِهِمْ إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٤١﴾

۴۱ یا ان کے کچھ شریک ہیں، تو لائیں اپنے شریکوں کو اگر وہ سچے ہیں۔ ۳۷؎

يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى ٱلسُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾

۴۲ جس دن سخت مصیبت آ پڑے گی ۳۸؎۔ اور ان لوگوں کو سجدے کے لئے بلایا جائے گا، تو یہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

خَٰشِعَةً أَبْصَٰرُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا۟ يُدْعَوْنَ إِلَى ٱلسُّجُودِ وَهُمْ سَٰلِمُونَ ﴿٤٣﴾

۴۳ ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ذلت ان پر طاری ہوگی۔ سجدے کے لئے ان کو اس وقت بلایا جاتا تھا جب وہ صحیح سالم تھے۔ ۳۹؎ (مگر اس وقت وہ انکار کرتے رہے)

فَذَرْنِى وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾

۴۴ تو (اے نبی!) چھوڑ دو مجھے اور ان کو جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں ۴۰؎۔ ہم ان کو اس طرح بتدریج (برے انجام کو) پہنچائیں گے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ ۴۱؎

وَأُمْلِى لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِى مَتِينٌ ﴿٤٥﴾

۴۵ میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ میری تدبیر نہایت مضبوط ہوتی ہے۔

أَمْ تَسْـَٔلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾

۴۶ کیا تم ان سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہو کہ یہ اس کے تاوان سے دبے جا رہے ہوں؟ ۴۲؎

أَمْ عِندَهُمُ ٱلْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾

۴۷ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں؟ ۴۳؎

۳۲۔ اوپر کافروں کے لئے عذاب کا ذکر تھا اس آیت میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اخروی انعام کا ذکر ہوا ہے۔ قرآن سزا کے پہلو بہ پہلو جزا کا بھی ذکر کرتا ہے۔ تاکہ لوگ سزا سے ڈریں اور اپنے آپ کو انعام کا مستحق بنائیں۔

۳۳۔ کافروں کے سردار اپنی خوشحالی کی بنا پر سمجھتے تھے کہ ہم سے اللہ خوش ہے، اسی لئے اس نے ہم کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں۔ جب کہ رسول اور اس کے پیروؤں کو تنگی کی زندگی گزارنا پڑ رہی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اللہ ان سے خوش نہیں ہے۔ لہٰذا اگر آخرت برپا ہوئی تو وہاں بھی ہم نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور اللہ کی ناراضگی ان لوگوں کے حصہ میں آئے گی۔ کافروں کے اسی خیال کی تردید کرتے ہوئے یہاں فرمایا گیا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ کے نزدیک اس کے فرمانبردار بندوں کی کوئی قدر نہیں اور وہ ان کے ساتھ مجرموں کا سا معاملہ کرے گا۔ اور تم اپنے کفر اور نافرمانی کے باوجود انعام کے مستحق قرار پاؤ گے؟ کیسی نامعقول وغیر منصفانہ باتیں ہیں یہ جو تم کرتے ہو؟

۳۴۔ یعنی کیا تمہارے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے، جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ عمل پر نہیں بلکہ تمہاری مرضی پر سب کچھ موقوف ہے۔ جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا۔

۳۵۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر تم اس زعم میں مبتلا ہو کہ ہم ابراہیم کی نسل سے ہیں جن کے ساتھ اللہ کے عہد و پیماں تھے، اس لئے ہم اللہ کے منظورِ نظر ہیں۔ جو کچھ ہم کریں ہم پر کوئی گرفت ہونے والی نہیں۔ تو اللہ نے ابراہیم سے ان کی نسل کے تعلق سے ایسا کوئی عہد نہیں باندھا تھا۔ امامت کا جو سلسلہ ان کی نسل میں چلایا جانے والا تھا، اس کے بارے میں یہ صراحت کردی گئی تھی کہ لَايَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ (میرا یہ عہد ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔ بقرہ: ۱۲۴) اور اللہ نے کسی بھی قوم کو نجات کا پٹہ لکھ کر نہیں دیا کہ وہ اپنی من مانی کرنے کے لئے آزاد ہے۔ بلکہ انبیاء کے واسطہ سے ہر قوم کو یہی تعلیم دی گئی تھی کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے اور اپنے عمل کے مطابق اسے اچھا یا برا پھل پانا ہے۔

۳۶۔ یعنی تم میں سے کون اس قسم کے عہد و پیمان کو ثابت کر دکھانے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے؟ ظاہر ہے ایسے کھوکھلے دعوے کبھی ثابت نہیں کئے جا سکتے۔

۳۷۔ یعنی ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے ان کے لئے نجات کا پروانہ لکھ دیا ہے تو ان کو سامنے لائیں تا کہ اس کی حقیقت واضح ہو۔

مسلمانوں کا جاہل طبقہ بھی اس خیال خام میں مبتلا ہے کہ فلاں اور فلاں بزرگ کے ہم عقیدتمند ہیں، اس لئے ہمارے اعمال کیسے ہی ہوں، ہم پر کوئی گرفت ہونے والی نہیں۔ ہمارے بزرگ ہمیں دنیا میں بھی آفتوں سے بچائیں گے اور آخرت میں بھی ہماری نجات کا ذریعہ بنیں گے۔

۳۸۔ متن میں لفظ 'ساق' استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنی پنڈلی کے بھی ہیں۔ اور درخت کے تنہ اور کسی چیز کی اصل کے بھی ہیں یہاں یہ لفظ نکرہ (اسم عام Common noun) استعمال ہوا ہے اور ایک خاص ترکیب میں، اس لئے اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ عربی کا محاورہ ہے جس کے معنی شدتِ امر کے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے:

الساق فی اللغة الامر الشديد، و كشفه مثل فی شدة الامر كما يقال للشحيح يده مغلولة ولا يد ثم ولا غُلّ وَاِنَّمَا هُوَ مَثَلٌ فی شدة البخل، و كذالك هذا، لا ساق هناك ولا كشف۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۶۸)

''ساق لغت میں امر شدید کو کہتے ہیں اور اس کا کشف ہونا شدتِ امر کے لئے مثال کے طور پر ہے۔ جس طرح بخیل کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ حالانکہ ایسے موقع پر نہ ہاتھ ہوتا ہے اور نہ بندھن بلکہ یہ شدت بخل کے لئے ایک مثال ہوتی ہے اسی طرح یہاں (اس محاورہ میں) بھی نہ ساق کا کوئی وجود ہے اور نہ کشف کا۔''

جمہور مفسرین نے بھی اس کو شدتِ امر ہی کے معنی میں لیا ہے اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ ''جس دن سخت مصیبت آ پڑے گی۔'' کیا ہے لیکن بعض

مفسرین نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ ’’قیامت کے دن جب اللہ اپنی پنڈلی کھولے گا‘‘ اور اس کی تائید میں صحیحین کی وہ حدیث پیش کی ہے جس میں :

یَکْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِہٖ۔ (بخاری کتاب التفسیر)

’’جب ہمارا رب اپنی پنڈلی کھولے گا‘‘

کے الفاظ آئے ہیں مگر اول تو یہ الفاظ قرآن کے الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتے، کیونکہ قرآن نے اللہ کی پنڈلی کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ اسم عام ساق (پنڈلی) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مزید یہ کہ یہ حدیث اگرچہ صحیحین کی ہے لیکن اس کے ایک راوی زید بن اسلم ہیں جن کے بارے میں کلام کی گنجائش ہے۔ ابن عیینہ کہتے ہیں زید بن اسلم نیک شخص تھے لیکن حفظ کے معاملہ میں کمزوری تھی۔ اور ابو حاتم کہتے ہیں زید کی ابوسعید سے روایت مرسل ہوتی ہے۔ ابن حبان نے ان کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ اور ابن عبدالبر نے مقدمہ میں جو بات بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تدلیس (جو اسناد کا نقص ہے) کیا کرتے تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۳ص ۳۹۷)

اور عبیداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ہم ان سے روایت میں حرج محسوس نہیں کرتے لیکن وہ قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتے تھے۔

(میزان الاعتدال ج۲ص ۹۸)

معلوم ہوتا ہے یہ حدیث بالمعنی بیان ہوئی ہے (یعنی اصل الفاظ محفوظ نہیں ہیں) اس لئے قرآن کے الفاظ ہی اصل حجت ہیں اور وہ شدتِ امر کے معنی میں ہیں۔

۳۹۔ یعنی میدانِ حشر میں ایک موقع وہ ہوگا جب کہ ان کافروں سے کہا جائے گا کہ اللہ کو سجدہ کرو! اور وہ سجدہ کرنا چاہیں گے مگر ان کی پیٹھ جھک نہ سکے گی اور وہ عاجز رہ جائیں گے۔ یہ مظاہرہ اس لئے کرایا جائے گا تا کہ انہیں احساس ہو کہ دنیا میں صحیح سالم ہو کر وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے تھے، بلکہ غیر اللہ کے آگے جھکتے تھے۔ حالانکہ اس وقت انہیں اللہ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا جاتا تھا۔ انہیں اللہ کا رسول ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دے رہا تھا، جس میں اس کو سجدہ کرنا بھی شامل تھا۔ اس سجدہ سے انکار کر کے انہوں نے اپنے لئے کیسی ذلت کا سامان کیا ہے۔

۴۰۔ یعنی اب تم ان جھٹلانے والوں کی فکر نہ کرو میں ان سے نمٹ لوں گا۔

۴۱۔ یعنی ایسے اسباب پیدا کروں گا کہ وہ ظاہری حالات کو دیکھ کر اپنے لئے عافیت محسوس کریں گے، لیکن وہ ان کی تباہی کا سامان ہوگا۔ کافر اپنے آپ کو خوشحال دیکھ کر فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کی خوشحالی ان کی بدحالی کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی طرح وہ اللہ کے دین کی مخالفت میں جو تدبیریں کرتے ہیں وہ الٹی پڑ جاتی ہیں۔ جو جال وہ بچھاتے ہیں اس میں وہ خود ہی پھنس جاتے ہیں۔

۴۲۔ اس کی تشریح سورۂ شعراء نوٹ ۹۸۔ میں گذر چکی۔

۴۳۔ اس کی تشریح سورۂ طور نوٹ ۴۰۔ میں گذر چکی۔

جب یہ کافر ذکر (یاددہانی) کو سنتے ہیں تو اس طرح تمہیں
دیکھتے ہیں گویا اپنی نگاہوں سے تمہیں پھسلا دیں گے۔
اور کہتے ہیں کہ یہ ضرور دیوانہ ہے۔حالانکہ یہ (قرآن)
دنیاوالوں کیلئے ایک نصیحت ہے۔(القرآن)

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ
إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾

۴۸ پس (اے نبی!) اپنے رب کے فیصلہ تک صبر کرو ۴۴؎ اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جاؤ ۴۵؎۔ جب اس نے (اپنے رب کو) پکارا اور وہ غم سے گھٹا ہوا تھا۔ ۴۶؎

لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿٤٩﴾

۴۹ اگر اس کے رب کا فضل اس کو نہ پہنچتا تو وہ مذموم حالت میں چٹیل میدان ہی میں ڈال دیا جاتا ۴۷؎۔

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾

۵۰ پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ بنایا اور اسے صالحین میں شامل کیا۔ ۴۸؎

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ
وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾

۵۱ جب یہ کافر ذکر (یاد دہانی) کو سنتے ہیں تو اس طرح تمہیں دیکھتے ہیں گویا اپنی نگاہوں سے تمہیں پھسلا دیں گے۔ ۴۹؎ اور کہتے ہیں کہ یہ ضرور دیوانہ ہے۔

وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

۵۲ حالانکہ یہ (قرآن) دنیا والوں کیلئے ایک نصیحت ہے۔ ۵۰؎

۴۴ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ تم صبر کے ساتھ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ جب تک وہ حکم نہ دے اپنا مقام چھوڑ کر کہیں چلے نہ جاؤ۔

۴۵ ۔ صاحب الحوت (مچھلی والے) سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں، جن کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ ان کی قوم نے ان کو جھٹلا دیا تھا اس لئے وہ برہم ہو کر اس بستی سے نکل گئے تھے اور اللہ کے حکم کا انتظار نہیں کیا تھا۔ ان کے اس قصور کی بنا پر ان کو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا تھا۔ یہ واقعہ سورۂ صافات آیت ۱۳۹ تا ۱۴۸ میں بیان ہوا ہے۔ یہاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ ان کی طرح جلدی نہ کرو اور جب تک اللہ ہجرت کا حکم نہ دے اپنی جگہ نہ چھوڑو۔

۴۶ ۔ یعنی یونس (علیہ السلام) نے مچھلی کے پیٹ میں جب کہ وہ غم سے گھٹ رہے تھے اللہ کو پکارا۔ انہوں نے وہ تسبیح کی جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دی۔ ان کی تسبیح کا ذکر سورۂ انبیاء آیت ۸۷ میں ہوا ہے۔

۴۷ ۔ یعنی مچھلی نے جب انہیں اُگل دیا تھا تو وہ ایک چٹیل میدان تھا۔ وہاں وہ ابتر حالت میں پڑے رہتے لیکن اللہ کا ان پر فضل ہوا اور اس چٹیل میدان میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سایہ دار درخت اگا یا اور ان کی ہر طرح دستگیری کی۔ دیکھئے سورۂ صافات نوٹ ۱۲۸ ۔

۴۸ ۔ یعنی ان کے قصور کو معاف کر کے رسالت کا فریضہ انجام دینے کیلئے انہیں پھر چن لیا اور انہیں اصلاح کی توفیق عطا فرما کر صالحین کے زمرہ میں شامل کرلیا۔

پیغمبروں کی زندگی نمونہ ہوتی ہے۔ اگر کبھی ان سے کوئی غلطی سرزد ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر انہیں متنبہ فرماتا ہے اور وہ فوراً اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ اس طرح نہ ان کی صالحیت پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ لوگوں کی غلط رہنمائی ہوتی ہے۔

۴۹ ۔ یہ تعبیر ہے کافروں کے بغض بھری نگاہوں سے دیکھنے کی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قرآن سناتے ہوئے دیکھتے تو غضبناک آنکھوں سے دیکھتے اور اس طرح مرعوب کرنے کی کوشش کرتے کہ آپ لڑکھڑا جائیں۔ لیکن آپ پر اللہ کا فضل ایسا ہوا کہ کافروں کی یہ حرکتیں آپ پر ہرگز اثر انداز نہ ہوسکیں۔

نگاہوں سے پھسلا دینے کا مفہوم وہی ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا۔ اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ہم کہتے ہیں ''وہ مجھے اس طرح دیکھ رہا تھا کہ ابھی کھا جائے گا۔'' ظاہر ہے اس کا مطلب واقعی کھا جانا نہیں ہوتا بلکہ یہ شدتِ غضب کی تعبیر ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت سے نظر لگ جانے کے حق ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں حدیث ''**العَینُ حقٌّ**'' (نظر کا لگ جانا حق ہے) بھی پیش کی ہے جسے بخاری مسلم ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (دیکھئے بخاری کتاب الطب، مسلم کتاب السلام اور ابوداؤد کتاب الطب) مگر نظر لگ جانا جس معنی میں بولا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو بری نظر سے دیکھے اور اس نظر بد کے اثر سے اس کی طبیعت خراب ہوجائے یا وہ بیمار پڑے۔ لیکن آیت میں ایسی کوئی بات بیان نہیں ہوئی ہے۔ اس میں تو جو بات ارشاد ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ کافر پیغمبر کو جب وہ قرآن سنا رہے ہوتے ہیں اس غضب سے دیکھتے ہیں گویا اپنی شدت نگاہ سے پیغمبر کو اپنے موقف سے ہٹا دیں گے۔ کہاں یہ بات جو بلاغت کے اسلوب میں کہی گئی ہے اور کہاں ''نظر بد'' کی بات۔ مختصر یہ کہ اس آیت سے نظر لگ جانے کے مروجہ تصور پر استدلال صحیح نہیں۔

رہی حدیث ''**العین حق**'' (نظر کا لگ جانا حق ہے) تو اس کا مفہوم بھی قرآن وسنت کے واضح احکام کی روشنی ہی میں متعین کرنا چاہیئے۔ قرآن وہم پرستی کی جڑ کاٹ دیتا ہے اور علم کی روشنی میں چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ ''**وَلَاتَقْفُ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْم**'' (اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں) (بنی اسرائیل : ۳۶)

اگر کوئی شخص بیمار پڑتا ہے تو اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کو نظر بد لگ گئی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ نظر بد لگ جانے سے بیمار ہوا ہے اور کسی اور وجہ سے بیمار نہیں ہوا؟ ظاہر ہے یہ محض وہم ہے اور اوہام کیلئے کوئی وجہ جواز نہیں۔ پھر نظر لگ جانے کا یہ تصور بھی عجیب ہے کہ

کوئی شخص کسی کو خوبصورت دیکھ کر متاثر ہوتا ہے تو اس کی نظر لگ جاتی ہے اور وہ خوبصورت مرد یا عورت بیمار پڑ جاتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ نظر بد کسی کی خوبی کو دیکھ کر لگ جاتی ہے یا اس سے بغض کی بناء پر؟ یہ تصور بھی ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو اور دوسرا شخص اس کو حریصانہ نگاہ سے دیکھ لیتا ہے تو اس کی نظر لگ جاتی ہے اور کھانے والے کو قے ہو جاتی ہے۔مگر یہ معاملہ صرف وہم پرستوں کے ساتھ ہوتا ہے اوروں کے ساتھ نہیں۔ایسا کیوں؟ کیا ہزاروں لوگ بازاروں میں کھانا نہیں کھاتے اور حریص لوگوں کا ان کے پاس سے گزر نہیں ہوتا؟ پھر انہیں قے کیوں نہیں ہوتی؟ مزید طرفہ تماشہ یہ ہے کہ نظر لگ جانا ایک عقیدہ کی بات بن گیا ہے۔چنانچہ نظر اتارنے کے لئے بھی ایک خاص فارمولہ مروج ہے۔اور وہ یہ کہ کچھ ہلدی، نمک اور رائی وغیرہ ہاتھ میں لے کر اس شخص کے سر سے ہاتھ پاؤں تک پھیرا جاتا ہے اور پھر آگ میں ان چیزوں کو جلایا جاتا ہے۔اور ان کے جلنے کی بو اٹھتی ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ نظر اتر گئی۔معلوم ہوتا ہے یہ طریقہ ہندوؤں سے لیا گیا ہے۔کیونکہ ان میں نظر اتارنے کے لئے جلانے کا طریقہ رائج ہے۔بہر صورت نظر لگنے اور اتارنے کا یہ تصور سراسر جاہلی ہے۔اسلام میں ایسی وہمی باتوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

جس طرح انسان کسی کی چیخ سن کر غمگین ہو جاتا ہے، مہیب آواز اُسے مرعوب کر دیتی ہے، اسی طرح نگاہیں بھی انسان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر ایک قاتل جن شر انگیز نگاہوں سے دیکھتا ہے، آدمی گھبراہٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اور بعض شر انگیز نگاہیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں کہ شدتِ تاثر سے آدمی کے چہرے کا رنگ بدل جائے۔یہ سب طبعی اسباب کی بنا پر ممکن ہے۔اور جب کوئی واضح سبب موجود ہو تو ہم اس کو اس شر یا تکلیف کا سبب قرار دیں گے جو کسی کو پہنچتی ہو۔حدیث **'العین حق'** (نظر کا لگ جانا حق ہے) اس معنی میں ہے شر انگیز نگاہیں برے اثرات ڈالتی ہیں اور انسان کبھی مرعوب ہو جاتا ہے اور کبھی گھبراہٹ میں اس طرح مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کے چہرہ کا رنگ ہی فق پڑ جاتا ہے۔لیکن اگر کوئی ظاہری سبب موجود نہ ہو تو کسی تکلیف کے پہنچنے پر اسے نظر بد پر محمول کرنا محض وہمی پن ہے اور کسی کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ اس کی نظر لگ گئی ہے، جب کہ اس کا کوئی ثبوت نہ ہو، بدگمانی ہے۔اور حدیث میں آتا ہے کہ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ ''بدگمانی بدترین جھوٹ ہے''۔

العین حق (نظر کا لگ جانا حق ہے) کا جو مطلب ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جس میں جبریل علیہ السلام نے آپ کے بیمار ہو جانے پر جو دعا پڑھی تھی اس میں اَوْ عَيْنَ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ (اور حاسد کی نظر کے شر سے اللہ آپ کو شفا دے۔مسلم کتاب السلام) کے الفاظ ہیں۔جو سورۂ فلق کی آیت وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (حسد کرنے والے کی شر سے جب وہ حسد کرے) کے الفاظ اور مفہوم سے مناسبت رکھتے ہیں۔(اس آیت کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ فلق نوٹ ۷۔) اس لئے حدیث العین حق کو کسی ایسے معنی میں لینا صحیح نہ ہوگا جو ظاہری اسباب کے خلاف ہوں اور وہم و ظن میں مبتلا کرنے والے ہوں۔

حدیث میں نظر لگ جانے سے شفایابی کے لئے بھی وہی دعا تجویز کی گئی ہے جو دوسری بیماریوں سے شفایابی کے لئے ہے یعنی:

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ۔ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَايُغَادِرُ سَقَمًا۔ (بخاری کتاب الطب)

''اے انسانوں کے رب! تکلیف کو دور فرما دے شفاء عطا فرما کہ تو ہی شفا دینے والا ہے۔تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں۔ایسی شفاء عطا فرما جو کسی بھی بیماری کو باقی رہنے نہ دے۔''

یہ بہترین دعا ہے۔اس کو چھوڑ کر ٹونے ٹوٹکے کرنا عقیدہ کے فساد کا موجب ہے۔

۵۰۔ یعنی قرآن کو پیغمبر کی زبان سے سن کر یہ لوگ انہیں دیوانہ کہتے ہیں حالانکہ یہ قرآن تمام دنیا والوں کے لئے سرتاسر نصیحت ہے اور ان کو وہ سبق یاد دلا رہا ہے جو ان کی فطرت میں ودیعت ہوا ہے۔

یہ آیت یہ صراحت بھی کرتی ہے کہ قرآن صرف عربوں کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے نصیحت بن کر نازل ہوا ہے۔

۶۹۔ الحاقّة

نام سورہ کا آغاز '**الحاقة**' (سچ ہو کر رہنے والی گھڑی) کے ذکر سے ہوا ہے۔اس مناسبت سے اسی لفظ کو اس کا نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور ابتدائی دور کی تنزیل ہے۔

مرکزی مضمون قیامت کا ہول اور عذاب کا خوف پیدا کرنا ہے، تا کہ لوگ ہوش میں آئیں اور جزا و سزا پر یقین کرنے لگیں۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۳ تمہیدی آیات ہیں جن میں قیامت کے امرِ یقینی ہونے، اور لازماً وقوع میں آنے کی خبر دی گئی ہے۔

آیت ۴ تا ۱۲ میں ان قوموں کے عذاب سے عبرت دلائی گئی ہے، جنہوں نے قیامت کا انکار کیا تھا اور رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

آیت ۱۳ تا ۱۸ میں قیامت کی ہولناکی کی تصویر پیش کی گئی ہے۔

آیت ۱۹ تا ۳۷ میں خداشناس اور ناخداشناس، نیک عمل اور بدعمل لوگوں کا الگ الگ انجام بیان ہوا ہے۔

آیت ۳۸ تا ۵۱ میں کافروں سے خطاب کر کے ان پر قرآن اور رسول کی صداقت واضح کی گئی ہے۔

آیت ۵۲ سورہ کی اختتامی آیت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کی تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَاۗقَّةُ ﴿١﴾

مَا الْحَاۗقَّةُ ﴿٢﴾

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۗقَّةُ ﴿٣﴾

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿٤﴾

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا
فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿٧﴾

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾

وَجَاۗءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿١٠﴾

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاۗءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٤﴾

۶۹۔ سُوْرَۃُ الْحَاقّۃ

آیات: ۵۲

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ سچ ہو کر رہنے والی ! ۱؎

۲ کیا ہے وہ سچ ہو کر رہنے والی؟

۳ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ سچ ہو کر رہنے والی ! ۲؎

۴ ثمود اور عاد نے اس کھڑ کھڑانے والی آفت کو جھٹلایا۔ ۳؎

۵ تو ثمود ایک زبردست چنگھاڑ سے ہلاک کر دئے گئے۔ ۴؎

۶ اور عاد شدید بادِ صرصر سے ہلاک کر دئے گئے۔ ۵؎

۷ اللہ نے اس کو سات رات اور آٹھ دن ان کو کاٹ پھینکنے کے لئے مسلط رکھا ۶؎۔ تم ان کو دیکھتے کہ اس طرح ڈھیر ہو گئے ہیں گویا کہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے۔ ۷؎

۸ کیا ان میں سے کسی کو تم باقی بچا ہوا دیکھتے ہو؟ ۸؎

۹ اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں ۹؎ اور الٹی ہوئی بستیوں ۱۰؎ نے بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔

۱۰ انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی ۱۱؎۔ تو اس نے ان کو سخت گرفت میں لیا۔

۱۱ ہم نے تم کو جب پانی کا طوفان حد سے گزر گیا کشتی میں سوار کر دیا۔ ۱۲؎

۱۲ تاکہ اس واقعہ کو تمہارے لئے سبق آموز بنا دیں ۱۳؎۔ اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔ ۱۴؎

۱۳ پھر جب صور میں ایک پھونک ماری جائے گی۔ ۱۵؎

۱۴ اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر یک بارگی ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ ۱۶؎

۱۔ الحاقۃ قیامت کا نام ہے جس کے معنی ہیں سچ ہو کر رہنے والی، لازماً وقوع میں آنے والی اور وہ گھڑی جس میں حق بے نقاب ہو کر سامنے آئے گا۔

۲۔ یہ اسلوب اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے کہ یہ نہایت غیر معمولی واقعہ ہوگا لہٰذا اچھی طرح خبردار ہو جاؤ۔

۳۔ جن قوموں نے قیامت کی خبر کو جو ان کے رسولوں نے انہیں دی تھی جھٹلایا تھا، اور اس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آیا، ان میں سے چند قوموں کا ذکر یہاں مثال کے طور پر ہوا ہے۔ تا کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

اس آیت میں قیامت کو **القارعۃ** (کھڑکھڑانے والی آفت) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ **القارعۃ**۔

۴۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر قرآن نے صراحت کی ہے ثمود کو **رَجفۃ** (تھرتھرا دینے والی) اور **صَیحۃ** (زبردست چیخ) کے ذریعہ ہلاک کیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے بادلوں کی غیر معمولی گرج اور بجلی کی زبردست چنگھاڑ نے ان پر شدید اضطراب کی کیفیت طاری کر دی اور وہ آناً فاناً گر کر ہلاک ہو گئے۔

۵۔ بادِ صرصر یعنی سرد اور تیز ہوا۔ معلوم ہوتا ہے عاد کی ہلاکت سرد ہواؤں کے ساتھ تیز اندھی کے چلنے سے ہوئی تھی۔

۶۔ یعنی بادِ صرصر ان پر مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک چلتی رہی اور آٹھویں دن ان کی ایسی بیخ کنی ہوئی کہ ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔

۷۔ کھجور کے درخت کے تنے بڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ لیکن جب طوفان کی زد میں آ کر گر جاتے ہیں تو ان کو دیکھ کر آدمی دم بخود رہ جاتا ہے۔ یہی حال عاد کا ہوا کہ وہ بڑے طاقتور تھے مگر تند و تیز ہوا نے انہیں ایسا گرا دیا کہ ہر طرف ان کی لاشیں ہی لاشیں تھیں۔

۸۔ یعنی ان جھٹلانے والوں کو ایسا ہلاک کیا کہ ان میں سے ایک آدمی بھی بچ نہ سکا۔ اس طرح ان کی نسل باقی ہی نہیں رہی۔

۹۔ یعنی فرعون سے پہلے کئی سرکش قومیں گزر چکی ہیں۔

۱۰۔ مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں جو زلزلہ سے الٹ دی گئی تھیں۔

۱۱۔ اللہ کے رسول کی باتوں کو نہ ماننا بہت بڑی نافرمانی اور جرم ہے۔

۱۲۔ اشارہ حضرت نوح کے واقعہ کی طرف ہے کہ جب پانی کا سخت طوفان آیا تو ان کی قوم کو غرق کر دیا گیا۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے تھے ان کو نوح کے ساتھ ان کی کشتی میں سوار کر دیا گیا اور غرق ہونے سے بچا لیا گیا۔ ان ہی کی نسل سے تم لوگ ہو، لہٰذا ان کو سوار کرانا نسلِ انسانی کو سوار کرانا تھا۔ اس لئے اللہ کا یہ احسان تم سب پر ہے۔

۱۳۔ اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ اللہ سے سرکشی کرنے اور اس کے رسول کی بات نہ ماننے کی کیسی سخت سزا ملتی ہے۔

۱۴۔ یعنی انسانی تاریخ کا یہ اہم ترین، سبق آموز، ایک یادگار واقعہ ہے۔ مگر اس سبق کو وہی لوگ یاد رکھیں گے جن کے کان حق بات سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۱۵۔ یعنی صور میں ایک پھونک مارتے ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کو قیامت برپا کرنے کے لئے کوئی اہتمام کرنا نہیں پڑے گا۔ بس ادھر پھونک ماری ادھر کائنات کا سارا انظام درہم برہم ہو گیا۔ یہ پھونک مارنا گویا قیامت کا الارم ہوگا۔

۱۶۔ کوئی اس خام خیالی میں مبتلا نہ رہے کہ یہ زمین اور یہ بڑے بڑے پہاڑ ہمیشہ باقی رہیں گے نہیں بلکہ قیامت کا جھٹکا لگتے ہی ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائیں گے۔ اللہ کے لئے زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ریزہ ریزہ کرنا نہایت آسان ہے۔ اور یہ تخریب اس لئے عمل میں لائی جائیگی تا کہ نئی زمین جو حشر برپا کرنے کے لئے موزوں ہو سکتی ہے وجود میں لائی جا سکے۔

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾

۱۵ اس دن واقع ہونے والی واقع ہوجائے گی۔ ۱۷؎

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾

۱۶ اور آسمان پھٹ جائے گا اور اس دن وہ نہایت کمزور ہوگا۔ ۱۸؎

وَّالْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ
ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾

۱۷ فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے ۱۹؎۔ اور تمہارے رب کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ ۲۰؎

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

۱۸ اس دن تم لوگ پیش کئے جاؤ گے ۲۱؎۔ تمہاری کوئی بات بھی چھپی نہ رہے گی۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا
كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾

۱۹ تو جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا ۲۲؎، وہ کہے گا لو پڑھو میرا نامۂ اعمال۔ ۲۳؎

اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾

۲۰ میں سمجھتا تھا کہ مجھے ضرور اپنے حساب سے دوچار ہونا ہے۔ ۲۴؎

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾

۲۱ پس وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا۔

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾

۲۲ بلند مقام جنت میں۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾

۲۳ جس کے پھلوں کے گچھے جھکے ہوئے ہوں گے۔ ۲۵؎

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ
الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

۲۴ کھاؤ اور پیو مزے سے۔ اپنے اعمال کے بدلہ میں جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں کئے۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ
اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾

۲۵ اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ۲۶؎ وہ کہے گا کاش میرا نامۂ اعمال مجھے دیا ہی نہ جاتا۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾

۲۶ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾

۲۷ کاش میری وہی موت فیصلہ کن ہوتی۔ ۲۷؎

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾

۲۸ میرا مال میرے کام نہ آیا۔

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾

۲۹ میرا اقتدار (زور۔ حاکمانہ قوت) ختم ہوگیا۔ ۲۸؎

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾

۳۰ اس کو پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ ۲۹؎

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾

۳۱ پھر اس کو جہنم میں جھونک دو۔

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

۳۲ پھر اس کو ایک زنجیر میں جو ستر ہاتھ لمبی ہے جکڑ دو۔ ۳۰؎

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾

۳۳ یہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہ لاتا تھا۔ ۳۱؎

۱۷۔ یعنی قیامت برپا ہو جائے گی۔

۱۸۔ آسمان نہایت مضبوط ہے لیکن قیامت کا بگل بجتے ہی وہ کمزور ہو جائے گا۔ قیامت زمین ہی پر برپا نہیں ہوگی بلکہ آسمانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے گی۔ یہ شکست و ریخت اس لئے ہوگی، تاکہ ایک نقشہ کے مطابق نیا عالم وجود میں لایا جائے۔ مگر شکست و ریخت کا یہ حادثہ ایسا زبردست ہوگا کہ اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۱۹۔ یعنی فرشتے سمٹ کر آسمانوں کے کناروں پر آجائیں گے اور درمیان کی پوری فضا میں ہلچل مچ جائے گی۔

۲۰۔ یہ آیت متشابہات میں سے ہے اور اس کی تاویل کرنا اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ آیت میں جو بات بیان ہوئی ہے اس سے اصلاً عدالتِ الٰہی کا تصور دلانا مقصود ہے، جو قیامت کے دن برپا ہوگی اور فرمانروائے کائنات اپنے تختِ سلطنت سے فیصلے صادر فرمائے گا۔ اس کی کیفیت کیا ہوگی اور یہ منظر کیسا ہوگا اس کو قیامت سے پہلے سمجھا نہیں جا سکتا۔

متشابہات کی تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ آلِ عمران نوٹ ۱۳۔

۲۱۔ یعنی اس روز اللہ کے حضور تم سب لوگوں کی اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے پیشی ہوگی۔

۲۲۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ واقعہ نوٹ ۷۔

۲۳۔ یعنی وہ نیک شخص ہوگا اور اپنا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں پاتے ہی خوشی سے جھوم اٹھے گا کہ یہ کامیابی کی علامت ہے اور دوسروں کو دکھانا پسند کرے گا۔

جب کوئی طالب علم امتحان میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اپنا رزلٹ دوسروں کو دکھانا پسند کرتا ہے، لیکن جو ناکام (فیل) ہوجاتا ہے وہ اپنا رزلٹ دکھانا پسند نہیں کرتا۔ قیامت کے دن وہی لوگ اپنا نامۂ اعمال دوسروں کو دکھانا پسند کریں گے جو دنیا کے امتحان میں کامیاب ہو چکے ہوں گے۔

۲۴۔ یعنی مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ قیامت کے دن مجھے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، اس لئے میں نے اس تصور ہی کے تحت زندگی گزاری تھی۔

۲۵۔ یعنی قریب ہوں گے کہ آسانی سے توڑے جا سکیں۔

۲۶۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ واقعہ نوٹ ۸۔

۲۷۔ یعنی میں جو مر گیا تھا تو بہتر ہوتا کہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتا اور حساب کے لئے یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیسی حسرت ناک باتیں ہوں گی جو قیامت کے دن کافروں کی زبان سے نکلیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے ہی باخبر کر دیا ہے تاکہ انسان سنبھل جائے اور اسے پچھتانا نہ پڑے۔

۲۸۔ دنیا میں تو انسان حکومت اور اقتدار کے نشہ میں گھمنڈی بن جاتا ہے۔ لیکن قیامت کے دن اسے احساس ہوگا کہ وہ میدانِ حشر میں تنہا ہے۔ نہ اس کا لاؤ لشکر اس کے ساتھ ہے۔ اور نہ اس کی سلطنت باقی ہے۔ تمام حاکمانہ اختیارات اس سے چھین لئے گئے ہیں۔

بادشاہوں اور با اقتدار لوگوں کے لئے کیسی دل دہلا دینے والی بات ہے یہ! کاش وہ اس آیت کو بغور پڑھتے!

۲۹۔ کافر ادھر پچھتانے کی باتیں کر ہی رہا ہوگا کہ ادھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے پکڑ کر اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ یہ طوق اس کے تکبر کی سزا ہوگی۔ اس کے بعد اس کو جہنم میں جھونک دینے کا حکم ہوگا جیسا کہ آگے بیان ہوا ہے۔ بقیہ صفحہ ۸۰۰ پر

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝٣٤	٣٤ اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ ٣٢؎
فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝٣٥	٣٥ تو آج اس کا یہاں کوئی دوست نہیں ہے۔
وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝٣٦	٣٦ اور نہ پیپ کے سوا اس کے لئے کوئی کھانا ہے۔ ٣٣؎
لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ۝٣٧	٣٧ جس کو گنہگار ہی کھائیں گے۔
فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝٣٨	٣٨ نہیں ٣٤؎۔ میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو۔
وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۝٣٩	٣٩ اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ ٣٥؎
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝٤٠	٤٠ کہ یہ ایک باعزت رسول کا قول ہے۔ ٣٦؎
وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝٤١	٤١ کسی شاعر کا قول نہیں ٣٧؎ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔ ٣٨؎
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝٤٢	٤٢ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے ٣٩؎ تم لوگ کم ہی سمجھتے ہو۔
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٤٣	٤٣ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ ٤٠؎
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝٤٤	٤٤ اور اگر اس (پیغمبر) نے کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کی ہوتی۔
لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝٤٥	٤٥ تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝٤٦	٤٦ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ ٤١؎
فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝٤٧	٤٧ پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس کام سے روک نہ سکتا۔
وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٤٨	٤٨ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ٤٢؎ متقیوں کیلئے ایک نصیحت ہے۔
وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۝٤٩	٤٩ اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے اس کو جھٹلانے والے بھی ہیں۔
وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝٥٠	٥٠ اور یہ کافروں کے لئے موجبِ حسرت ہوگا۔ ٤٣؎
وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝٥١	٥١ اور یہ بالکل یقینی حق ہے۔ ٤٤؎
فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝٥٢	٥٢ تو تم اپنے ربِ عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔ ٤٥؎

۳۲۔ آدمی جب اپنے رب سے بے پرواہوجاتا ہےتو ان کاموں سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، جو اللہ کی رضا کے ہیں۔جس کی ایک نمایاں مثال محتاجوں کو کھانا کھلانا اوران کو کھلانے کی دوسروں کو ترغیب دینا ہے۔قرآن اس بخل اوراس غیر ہمدردانہ رویہ کو بہت بڑا جرم قرار دیتا ہے۔جس کسی کو اللہ نے مال عطا کیا ہےاس کے مال میں محتاجوں کا حق بھی ہے۔

۳۳۔ یعنی پینے کے لئے پیپ جیسی گندی چیز ملے گی۔یہ اسلئے کہ اسکے عقائد واعمال خبیثانہ رہے۔

۳۴۔ یہاں لا (نہیں) منکرین کے خیالات کی تردید کیلئے ہے۔یعنی تمہارا یہ خیال کہ قیامت واقع نہیں ہوگی مطابقِ حقیقت نہیں بلکہ خلاف حقیقت ہے۔

۳۵۔ قسم شہادت کے معنی میں ہے۔مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کا تم مشاہدہ کرتے ہوان میں روزِ جزا کے آثار بالکل نمایاں ہیں جن کوقرآن نے کھول کھول کر بیان بھی کردیا ہے۔اور جو چیزیں تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہیں مثلاً فرشتے، جنت دوزخ وغیرہ، ان سے تم کو قرآن کے ذریعہ باخبر کردیا گیا ہے۔ان غیبی حقیقتوں پر غور کرنے سے روزِ جزا کا یقین پیدا ہوجاتا ہے۔

۳۶۔ یعنی یہ جبریل کی زبان سے ادا ہوئے کلمات ہیں جو اللہ کا باعزت پیغامبر ہے۔اور پیغامبر ہونے کی حیثیت سے وہ اللہ کا کلام اس کے نبی پروحی کررہا ہے۔سورۂ تکویر آیت ۱۹ میں بھی یہی بات حضرت جبریل کے بارے میں ارشاد ہوئی ہے۔

۳۷۔ یعنی رسول جوکلام پیش کررہا ہے وہ شاعری نہیں بلکہ جبریل کا لایا ہوا کلام ہے۔

۳۸۔ یعنی ایمان کا کچھ اثر قبول کرتے ہواور پھر چھوڑ دیتے ہو۔قرآن کی باتیں حق ہونے کی بنا پر تمہارے وجدان کو اپیل کرتی ہیں اور دلوں میں یقین پیدا کرتی ہیں۔مگر خواہشات کا غلبہ اسے قبول کرنے میں مانع ہوتا ہے۔

۳۹۔ کاہن کی تشریح سورۂ شعراء نوٹ ۱۹۰ میں گزر چکی۔

۴۰۔ یعنی قرآن نہ شاعری ہےاور نہ کہانت بلکہ اللہ کا کلام ہے جو جبریلؑ کی زبانی رسول پر وحی کیا گیا ہے۔

۴۱۔ یعنی رسول اپنے منصب پر رہتے ہوئے کوئی بات اپنی طرف سے اللہ کی طرف منسوب نہیں کرسکتا۔وہ اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اللہ کا کلام جوں کا توں پیش کرے۔اگر اس نے اپنی طرف سے کوئی بات اللہ کے کلام میں ملائی ہوتی تو یہ اس منصب کا غلط استعمال ہوتا۔اور یہ ایسا سنگین جرم ہوتا کہ ہم اسی وقت اس کو ہلاک کردیتے اور یہ عبرتناک سزا اس لئے بھی دیتے تاکہ لوگوں کی غلط رہنمائی نہ ہو۔

اس سزا کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا گیا ہے، جیسے بادشاہ اپنے اس سفیر کی جو اس کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرے، داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن اڑادے۔

یہ سزا اس کے لئے ہے جو منصب رسالت پر رہتے ہوئے اپنی طرف سے کچھ باتیں اللہ کی طرف منسوب کرے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جھوٹے مدعی نبوت کو یہ سزا فوراً مل جائے گی۔اور اگر کسی مدعی نبوت کو نہیں ملی تو یہ اس کے سچے ہونے کی دلیل ہوگی۔

ایسی کوئی بات آیت میں نہیں کہی گئی ہے۔اس لئے نبوت کے جھوٹے مدعی اس کا سہارا نہیں لے سکتے۔دنیا میں جھوٹے مدعی نبوت تو کیا جھوٹے خدا بھی ہوئے ہیں اور خدا کو بُرا بھلا کہنے والے بھی ہیں، لیکن اللہ ان کو مہلت دے دیتا ہے تاکہ وہ اپنا پیمانہ بھرلیں۔

۴۲۔ یعنی قرآن۔

۴۳۔ قیامت کے دن کافر افسوس کریں گے اور پچھتائیں گے کہ قرآن پر ایمان نہ لاکر انہوں نے بہت بڑی غلطی کی۔

۴۴؎ یعنی یہ قرآن جو روز جزا کی خبر دے رہا ہے بالکل حق اور یقینی ہے۔ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالکل بالاتر، پھر ایسے یقینی حق کو کیوں قبول نہیں کرتے؟

۴۵؎ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے توسط سے آپ کے پیروؤں کو ہدایت ہے کہ جب حقیقت وہ ہے جو اس سورہ میں بیان ہوئی تو تم کافروں کی باتوں کو خاطر میں نہ لاؤ اور اپنے ربِ عظیم کی تسبیح وعبادت میں سرگرم ہو جاؤ۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ واقعہ نوٹ ۵۸؎ اور ۷۶؎۔

****

بقیہ صفحہ ۷۹۷ سے آگے

۳۰؎ دنیا میں وہ خواہشات کا غلام تھا اور خواہشات کا یہ سلسلہ بڑا دراز تھا۔ اس لئے اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا۔ بدلہ انسان کو اس کے اعمال کی مناسبت ہی سے ملے گا۔

۳۱؎ یعنی اس کی جسارت دیکھو کہ اللہ کی عظمت کو اس نے نہیں پہچانا اور اس عظیم ہستی پر ایمان لانے سے اس نے انکار کر دیا یہ جرم کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ سنگین جرم ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے خلاف صریح بغاوت ہے۔

۷۰۔المعارج

نام آیت ۳میں ذی المعارج (بلندیوں والے) کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام' المعارج' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدائی دور کے اخیر میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون قیامت کے لئے جلدی مچانے والوں کو متنبہ کرنا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۷ میں قیامت کے عذاب کے لئے جلدی مچانے والوں کو خبردار کر دیا گیا ہے کہ وہ عذاب آ کر رہے گا۔اور ٹھیک اپنے وقت پر آئے گا۔

آیت ۸ تا ۱۸ میں قیامت کے احوال بیان کئے گئے ہیں کہ وہ کیسی سخت گھڑی ہوگی۔

آیت ۱۹ تا ۲۵ میں انسان کی عام کمزوری بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ کمزوری عبادت (نماز) کے ذریعہ ہی دور ہوتی ہے اور وہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں، جو انسان کو جنت کا مستحق بناتے ہیں۔

آیت ۲۶ تا ۴۴ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے والوں اور قرآن سنانے سے روکنے کے لئے آپ پر ٹوٹ پڑنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے۔

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ

۷۰-سُوْرَةُ الْمَعَارِج

آیات: ۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝١	۱ مانگنے والے نے مانگا وہ عذاب، جو واقع ہونے والا ہے۔ ا ؎
لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝٢	۲ کافروں پر۔ کوئی اس کو دفع کرنے والا نہیں۔ ۲ ؎
مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝٣	۳ وہ (عذاب) اللہ کی طرف سے ہوگا جو بلندیوں والا ہے۔ ۳ ؎
تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝٤	۴ فرشتے اور روح (جبریل) اس کی طرف چڑھ کر جاتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ۴ ؎
فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝٥	۵ تو صبر کرو صبر جمیل۔ ۵ ؎
اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝٦	۶ یہ لوگ اسے دور سمجھتے ہیں۔
وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝٧	۷ اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔ ۶ ؎
يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝٨	۸ جس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کی طرح ہو جائے گا۔ ۷ ؎
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝٩	۹ اور پہاڑ (دھنکی ہوئی) اون کی طرح۔ ۸ ؎
وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝١٠	۱۰ اور کوئی دوست اپنے دوست کو نہ پوچھے گا۔
يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝١١	۱۱ حالانکہ وہ انہیں دکھائے جائیں گے ۹ ؎۔ مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے چھٹکارا پانے کیلئے فدیے میں دے اپنے بیٹوں کو،
وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝١٢	۱۲ اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو،
وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝١٣	۱۳ اور اپنے خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا،
وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝١٤	۱۴ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو، اور اپنے کو آپ بچالے۔ ۱۰ ؎
كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ۝١٥	۱۵ ہرگز نہیں ۱۱ ؎۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔
نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝١٦	۱۶ جو کھال کو ادھیڑ لے گی۔
تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝١٧	۱۷ وہ اپنی طرف بلائے گی ہر اس شخص کو جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری تھی اور منہ موڑا تھا۔
وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝١٨	۱۸ مال جمع کیا تھا اور سینت سینت کر رکھا تھا۔ ۱۲ ؎

۱۔ کافر نبی ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ قیامت کے جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ لے آؤ۔ یہ بات وہ عذاب کا مذاق اڑانے کے لئے کہتے تھے۔ ان کے اسی مطالبہ کے جواب میں فرمایا گیا کہ جو عذاب تم طلب کرتے ہو وہ واقع ہو کر رہنے والا ہے۔ تمہیں ایک یقینی بات سے باخبر کیا گیا ہے۔ اب اگر تم اس کا مذاق اڑانا چاہتے ہو تو اڑاؤ، اپنا انجام دیکھ لوگے۔

۲۔ یعنی قیامت کا ظہور ہو کر رہے گا اور اس روز کافروں پر لازماً عذاب مسلط ہوگا۔ یہ بات بالکل اٹل ہے اور کسی طرح ٹلنے والی نہیں۔

۳۔ یعنی عذاب کا یہ فیصلہ اللہ کی بارگاہ سے ہو چکا ہے، جس کی عظمت کی شان یہ ہے کہ اس کی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے بلندیوں پر بلندیاں طے کرنا پڑتی ہیں۔ اس بالاتر ہستی کی عظمت کا تمہیں احساس ہوتا تو اس سے ڈرتے اور اس کے عذاب سے پناہ مانگتے۔

۴۔ یہ آیت متشابہات میں سے ہے، جس کی تاویل اللہ ہی جانتا ہے اور ایسی آیتوں کی اصل حقیقت معلوم کرنے کی کاوش فتنہ کا موجب ہے۔ اہلِ ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تاویل کے پیچھے نہیں پڑتے۔ حضرت ابن عباس سے جب اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو انہوں نے صاف کہا کہ میں نہیں جانتا۔ (تفسیر طبری ج ۲۹ ص ۴۵)

رہا اس آیت سے مقصود تو اللہ کی عظمت کا تصور پیش کرنا ہے اور قیامت کیلئے جلدی مچانے والوں پر واضح کرنا ہے کہ اس دن کا عذاب اس ہستی کی طرف سے ہوگا جو عظیم المرتبت ہے اور جس کی بارگاہ میں پہنچنے کیلئے فرشتوں کو بھی کتنے مدارج اور کتنی بلندیاں طے کرنا پڑتی ہیں۔ اس عظمت والے خدا کی طرف سے جو عذاب ہوگا اس کی سختی کے تصور ہی سے انسان کانپ اٹھے۔ مگر یہ منکرین ہیں کہ اس کا مذاق اڑا کر اس کے لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

اس موقع پر سورۂ حج نوٹ ۸۴ اور سورۂ سجدہ نوٹ ۸ بھی پیش نظر رہے۔

۵۔ یہ نبی ﷺ کو ہدایت ہے کہ ان منکرین کی باتوں پر صبر کرو اور ایسا خوبصورت صبر کہ ان کی باتوں کا گویا تم پر کوئی اثر ہوا ہی نہیں ہے۔

۶۔ یعنی قیامت کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ اول تو وہ واقع ہوگی نہیں اور اگر ہوئی بھی تو وہ بہت دور کی بات ہے۔ جبکہ اللہ کے نزدیک اسے لازماً واقع ہونا ہے اور وہ عنقریب وقوع میں آنے والی ہے۔ جو مہلت انسان کو دی گئی ہے وہ بہت تھوڑی ہے۔

۷۔ یعنی آسمان کا مادہ گرم ہو کر دھات کی طرح پگھلنے لگے گا۔

۸۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ قارعہ نوٹ ۵۔

۹۔ یعنی قیامت کے دن ایک دوست دوسرے دوست کو دیکھ رہا ہوگا لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہ کرے گا، اسے اپنی ہی پڑی ہوگی۔

۱۰۔ قیامت کے دن مجرم یہ چاہے گا کہ اگر اپنے عزیز و اقارب کو بلکہ دنیا بھر کے لوگوں کو فدیہ میں دے کر اپنے کو چھڑا سکتا ہے تو چھڑا لے لیکن اس کے پاس نہ فدیہ دینے کے لئے کچھ ہوگا اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن انسان کی بے بسی کا جو عالم ہوگا اس سے اسے پہلے ہی خبردار کر دیا ہے، تاکہ جو شخص اپنے عزیز و اقارب، اپنے خاندان اور اپنی قوم (Nation) کے لئے آخرت کو پسِ پشت ڈال کر دنیا کو مقصود بناتا ہے وہ ہوش کے ناخن لے۔

۱۱۔ یعنی منکرین قیامت کا یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے کہ جہنم جیسی چیز سے انہیں کوئی سابقہ پیش نہیں آئے گا۔

۱۲۔ یہ اس کے بخل کی تصویر ہے کہ مال کو جمع کرنے اور بڑھانے کی فکر تو اسے ہوئی لیکن اس میں محتاجوں کا جو حق اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تھا اس سے وہ بے پروا رہا۔ مال اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں دیا تھا کہ اپنی تجوریاں بھر کر رکھے بلکہ اس لئے دیا تھا کہ اس سے ضروری مصارف پورے کئے جائیں جن میں محتاجوں اور غریبوں کا حق بھی ہے۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾	۱۹ انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے۔ ۱۳؎
إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿٢٠﴾	۲۰ جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔
وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿٢١﴾	۲۱ اور جب اسے آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بنتا ہے۔
إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿٢٢﴾	۲۲ مگر نمازی اس سے بچے ہوئے ہیں۔ ۱۴؎
الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿٢٣﴾	۲۳ جو اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ۱۵؎
وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿٢٤﴾	۲۴ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے۔ ۱۶؎
لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿٢٥﴾	۲۵ سائل اور محروم کا۔ ۱۷؎
وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٢٦﴾	۲۶ جو روزِ جزا کو سچ مانتے ہیں۔
وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾	۲۷ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔
إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿٢٨﴾	۲۸ کیونکہ ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔ ۱۸؎
وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٢٩﴾	۲۹ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٣٠﴾	۳۰ بجز اپنی بیویوں اور اپنی مملوکہ عورتوں (لونڈیوں) کے کہ اس بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ۱۹؎
فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٣١﴾	۳۱ البتہ جو لوگ اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں تو وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ۲۰؎
وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٣٢﴾	۳۲ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں۔ ۲۱؎
وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿٣٣﴾	۳۳ جو اپنی شہادتوں کو ادا کرتے ہیں۔ ۲۲؎
وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾	۳۴ اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ ۲۳؎
أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿٣٥﴾	۳۵ یہی لوگ جنتوں میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔ ۲۴؎
فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿٣٦﴾	۳۶ تو (اے نبی!) ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تمہاری طرف دوڑے چلے آرہے ہیں۔ ۲۵؎
عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ﴿٣٧﴾	۳۷ دائیں اور بائیں سے گروہ در گروہ۔
أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿٣٨﴾	۳۸ کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟
كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾	۳۹ ہرگز نہیں ۲۶؎۔ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس چیز سے جسے وہ جانتے ہیں۔ ۲۷؎

۱۳؎ یعنی انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ وہ بہت جلد ہمت ہار جاتا ہے اور حوصلہ کا ثبوت نہیں دیتا۔ آگے کی آیتوں میں اس کی اس کمزوری کو واضح کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کمزوری ایسی نہیں ہے کہ اسے دور نہ کیا جا سکتا ہو۔ تربیت کے ذریعہ اسے ضرور دور کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ تربیت جیسا کہ آگے واضح کیا گیا ہے نماز کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ امتحانی زندگی کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس کے اندر کچھ ایسی کمزوریاں رکھ دی جائیں جن کو وہ اپنے عمل سے دور کر سکے۔ یہ کمزوریاں ایسی نہیں ہیں کہ ان پر انسان قابو نہ پا سکے اور مجبور ہو کر رہ جائے۔ اگر انسان کی خلقت میں مجبوری کی نوعیت کی کمزوریاں ہوتیں تو نمازیوں کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جاتا۔ جب کہ آیت ۲۲ میں انہیں مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

۱۴؎ یعنی نماز پڑھنے والے اپنی اس فطری کمزوری پر قابو پا لیتے ہیں۔ وہ نہ تکلیف پہنچنے پر واویلا مچاتے ہیں اور نہ آسائش کے حاصل ہونے پر محتاجوں کا حق ادا کرنے سے بخل برتتے ہیں۔ واضح رہے کہ نماز کا یہ اثر ان لوگوں کی زندگیوں میں نمایاں ہوتا ہے جو شعور کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

۱۵؎ یعنی نماز کبھی ناغہ نہیں کرتے بلکہ پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

۱۶؎ مراد زکوٰۃ ہے جس کی تفصیلات اگر چہ بعد کے دور میں بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے اجمالی احکام پہلے سے چلے آ رہے تھے۔ تورات میں بھی دہ یکی (عشر) ادا کرنے کا حکم موجود ہے۔ اور حضرت اسمٰعیل نے بھی زکوٰۃ کا حکم دیا تھا اس لئے ان کی نسل میں یہ حکم چلا آ رہا تھا۔ علاوہ ازیں صاحبِ مال کے مال میں محتاجوں کا حق ایک معروف حق ہے، جس کو انسان اپنی عقل اور فطرت سے جانتا ہے۔ گو اس کی تفصیلات جاننے کا ذریعہ شریعت ہی ہے۔ اس لئے جس وقت یہ تفصیلات نازل نہیں ہوئی تھیں شریعت کا اجمالی حکم موجود تھا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا اور محتاجوں کو صدقہ دینا ایک ایسا حق ہے جس سے انسان کی فطرت اچھی طرح آشنا ہے۔

۱۷؎ اس کی تشریح سورۂ ذاریات نوٹ ۳۰؎ میں گزر چکی۔

۱۸؎ یعنی آدمی یہ خیال نہ کرے کہ میں اللہ کے عذاب سے ہر طرح محفوظ ہوں، بلکہ اسے یہ کھٹکا لگا رہنا چاہئے کہ معلوم نہیں مجھ سے کیا قصور سرزد ہو جائے اور اللہ کا عذاب مجھے اپنی لپیٹ میں لے لے۔ عذاب کا یہی خوف آدمی کو محتاط بناتا ہے۔

۱۹؎ اس کی تشریح سورۂ مؤمنون نوٹ ۶؎ میں گزر چکی۔

۲۰؎ اس کی تشریح سورۂ مؤمنون نوٹ ۷؎ میں گزر چکی۔

۲۱؎ اس کی تشریح سورۂ مؤمنون نوٹ ۸؎ اور ۹؎ میں گزر چکی۔

۲۲؎ یعنی اپنی شہادتوں کو عدل اور راستی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ شہادتوں میں توحید اور رسالت کی شہادت بدرجہ اولیٰ شامل ہے اور وہ گواہیاں بھی جو انسان اور انسان کے درمیان معاملات کے تعلق سے دی جاتی ہیں۔

۲۳؎ نماز کی حفاظت میں وقت پر نماز ادا کرنا اور کوئی نماز قضا نہ کرنا، ٹھیک سے وضو کرنا، نماز کے ارکان کو اطمینان اور وقار کے ساتھ ادا کرنا، اپنی توجہ اللہ کی طرف مرکوز رکھنا۔ قرأتِ قرآن اور نماز کے اذکار پر دھیان دینا، خیالات کو ادھر اُدھر بھٹکنے نہ دینا اور خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا اور نماز کے سلسلہ کی تمام ضروری باتوں کو پورا کرنا شامل ہے۔ مثلاً مردوں کے لئے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا وغیرہ۔

اوپر اہل ایمان کے جو اوصاف بیان ہوئے ان کا آغاز نماز سے ہوا اور اختتام بھی نماز پر ہو رہا ہے، جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ اوصاف نماز ہی کا فیضان ہیں اور نماز ہی ان کی ضامن ہے۔

۲۴؎ یعنی جنت مفت میں ملنے والی چیز نہیں ہے، بلکہ ان کو ملے گی جو اپنے کو ان اوصاف سے آراستہ کر کے اس کا مستحق بنائیں گے۔

پھل وہی کاٹتا ہے جومحنت کر کے درخت لگاتا ہے۔صرف خواہش کرنے سے نہ درخت اگتا ہے اور نہ پھل حاصل ہوتے ہیں۔جنت بھی اعمال ہی کا ثمرہ ہے اس لئے محنت ضروری ہے۔

۲۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قرآن پڑھ کر سناتے تو کافر آواز سن کر قرآن کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کی طرف دوڑے چلے آتے۔ان کی اسی حرکت کی تصویر ان آیتوں میں پیش کی گئی ہے۔

۲۶۔ یہ کافروں کے اس خیال کی تردید ہے کہ آخرت برپا ہوگی ہی نہیں اور اگر وہ برپا ہو ہی گئی تو ان کو جنت ہی ملے گی۔کیونکہ دنیا میں ان کو مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ جاہ و حشمت بھی ملی ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ ان سے خوش ہے لہٰذا وہ آخرت میں بھی اللہ کی نعمتوں کے مستحق ہوں گے۔

۲۷۔ یعنی جب ہم نے ان کو پانی کی ایک حقیر بوند سے پیدا کیا ہے تو ان میں یہ گھمنڈ کہاں سے آ گیا کہ وہ خدا کے مقابل اکڑنے لگتے ہیں؟ اگر وہ اپنی پیدائش پر غور کرتے تو انہیں اپنی بے مائگی کا احساس ہوتا اور وہ اپنے خالق کے آگے جھکتے۔

لہٰذا انہیں چھوڑ دو کہ یہ باتیں بناتے اور کھیلتے رہیں
یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس کا
ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔(القرآن)

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾

عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ
يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ
يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا
يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۰ نہیں ۲۸؎۔ میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم قادر ہیں۔ ۲۹؎

۴۱ اس بات پر کہ ہم ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم عاجز رہنے والے نہیں ہیں۔ ۳۰؎

۴۲ لہٰذا انہیں چھوڑ دو کہ یہ باتیں بناتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ یہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ ۳۱؎

۴۳ جس دن یہ اپنی قبروں سے اس سرعت کے ساتھ نکلیں گے کہ گویا ایک نشانہ کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ ۳۲؎

۴۴ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ذلت ان پر چھائی ہوگی۔ یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا تھا۔

۲۸۔ یعنی ان کا احساس برتری اور اپنے خالق کے مقابل ان کا گھمنڈ بالکل بے معنی ہے۔

۲۹۔ مشرق اور مغرب ایک نہیں بلکہ کئی ہیں اور ان سب کا رب اللہ ہی ہے۔ جس طرح زمین کے مشرق و مغرب ہیں اسی طرح چاند سیاروں اور ستاروں کے بھی مشرق و مغرب ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کائنات میں کتنے مشرق اور کتنے مغرب ہیں۔ ان سب کا مالک ظاہر ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ اور یہ حقیقت اس کے قادرِ مطلق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

۳۰۔ یعنی جب اللہ کی قدرت لامحدود ہے تو اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ انسانوں کے مرکھپ جانے کے بعد ان کو دوبارہ پیدا کر دے؟ وہ نہ صرف اسی ساخت (Model) میں ان کو دوبارہ ڈھال سکتا ہے بلکہ اگر چاہے تو ان کی جگہ ان سے بہتر ساخت (Model) کے لوگ بھی وجود میں لا سکتا ہے۔ اس کی قدرت انسان کو موجودہ شکل میں پیدا کر کے ختم نہیں ہوئی کہ وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے یا اس سے بہتر مخلوق کو وجود میں لانے سے عاجز ہو۔

۳۱۔ یعنی اگر وہ ان روشن حقیقتوں کو قبول نہیں کرتے اور ان کا مذاق اڑانے ہی میں لگے ہوئے ہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ قیامت کے دن ان کو اصل حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔

۳۲۔ یعنی جب قیامت کا دوسرا صور پھونکا جائے گا تو یہ لوگ جو دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کر رہے ہیں، قبروں سے بڑی تیزی کے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور ایسے دوڑیں گے جیسے مقررہ نشانہ تک پہنچنے کے لئے لوگ دوڑ پڑتے ہیں۔

قبروں سے نکلنے کا مطلب زمین کا پھٹ جانا اور اس سے باہر نکل آنا ہے۔ قیامت تک پیدا ہونے والے انسان جو مر کر مٹی میں مل چکے تھے خدا کا حکم ہوتے ہی دوبارہ زندہ ہو کر زمین سے نکل پڑیں گے اور گھبراہٹ کے عالم میں تیز بھاگ رہے ہوں گے۔

سورۂ
نوح

۷۱۔ نُوح

نام یہ سورہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعوت کو تفصیل کے ساتھ پیش کرتی ہے اس لئے اس کا نام سورۂ نوح ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اوران حالات میں نازل ہوئی جب مشرکین مکہ نے نبی ﷺ اور آپ کی دعوت کی مخالفت میں شدت اختیار کر لی تھی۔

مرکزی مضمون حضرت نوح کا قصہ اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ رسول کی مخالفت کرنے والے چونک جائیں اور اس آئینہ میں اپنا عکس دیکھ لیں۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۴ میں بیان ہوا ہے کہ جب نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا تو انہوں نے کیا دعوت پیش کی تھی۔

آیت ۵ تا ۲۰ میں حضرت نوح کی دعوتی جدو جہد کو پیش کرتے ہوئے، انہوں نے اپنی قوم کو جو فہمائش کی تھی اس کو بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۲۱ تا ۲۴ میں حضرت نوح کی اللہ کے حضور فریاد کو پیش کیا گیا ہے، جو انہوں نے اپنی قوم پر حجت تمام کرنے کے بعد ان کی ہٹ دھرمی کے پیش نظر کی تھی۔

آیت ۲۵ میں اس عذاب کا ذکر ہے جو قومِ نوح پر آیا۔

آیت ۲۶ تا ۲۸ میں حضرت نوح کی اس دعا کو پیش کیا گیا ہے جو انہوں نے اس عذاب کے موقع پر کی تھی جو ان کی قوم پر آیا۔

سُورَةُ نُوحٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلٰى قَوْمِهٖٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن
يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١﴾
قَالَ يٰقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾
أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾
يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلٰىٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى
إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾
قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾
فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيٓ إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾
وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوٓا أَصَابِعَهُمْ
فِيٓ آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا
اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾
ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾
ثُمَّ إِنِّيٓ أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿٩﴾
فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾
يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾
وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنّٰتٍ
وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهٰرًا ﴿١٢﴾

۷۱۔ سُورَۃُ نُوح

آیات۔ ۲۸

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

[۱] ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا ۱؎۔ کہ اپنی قوم کو خبردار کردو قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔ ۲؎

[۲] اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لئے کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ ۳؎

[۳] کہ اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ۴؎

[۴] وہ تمہارے گناہ بخش دے گا ۵؎۔ اور تم کو ایک مقرر وقت تک مہلت دے گا ۶؎۔ یقیناً جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجائے گا تو اس کو ٹالا نہیں جا سکے گا ۷؎۔ کاش کہ تم جان لیتے!

[۵] نوح نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو شب و روز پکارا۔ ۸؎

[۶] مگر میری پکار نے ان کے فرار ہی میں اضافہ کیا۔ ۹؎

[۷] اور میں نے جب بھی ان کو بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے ۱۰؎۔ انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں، کپڑوں سے اپنے کو ڈھانک لیا ۱۱؎، اپنی ضد پر اڑے رہے اور بڑا تکبر کیا۔

[۸] پھر میں نے ان کو بہ آواز بلند دعوت دی۔ ۱۲؎

[۹] پھر میں نے ان کو علانیہ بھی سمجھایا اور تنہائی میں بھی۔ ۱۳؎

[۱۰] میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو۔ بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

[۱۱] وہ تم پر خوب بارش برسائے گا۔ ۱۴؎

[۱۲] تمہیں مال اور اولاد کی فراوانی بخشے گا، تمہارے لئے باغ پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا۔

۱۔ حضرت نوح کا قصہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود میں گزر چکا اور دوسری متعدد سورتوں میں بھی اس کے اجزاء بیان ہوئے ہیں۔اس سورہ میں خاص طور سے ان کی دعوتی جدوجہد کو پیش کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت نوح پہلے رسول ہیں، جو حضرت آدم کے بعد ان کی نسل کی طرف، جس کی آبادیاں عراق کے شمالی حصہ میں تھیں اور جن میں ایک مدت گزر جانے کی وجہ سے عقیدہ و عمل کا فساد پیدا ہو گیا تھا بھیجے گئے تھے۔

۲۔ واضح ہوا کہ ایک رسول کی اولین ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے خبردار کردے۔انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی یہی خصوصیت ہوتی ہے، جسے قرآن کی اصطلاح میں اِنذار (ڈرانا) کہا جاتا ہے۔اس میں ان لوگوں کے لئے جو دعوتِ حق کا کام کرنے کے لئے اٹھیں یہ رہنمائی ہے کہ وہ دوٹوک الفاظ میں لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع ہوں۔

۳۔ اللہ کی ہدایت کے مطابق حضرت نوح نے اپنے آپ کو اس حیثیت سے پیش کیا کہ وہ اللہ کی طرف سے واضح طور پر خبردار کرنے والے ہیں۔

۴۔ حضرت نوح کی دعوت مختصراً یہ تھی کہ اللہ کی اور صرف اللہ کی عبادت کرو۔جس کا مطلب یہ تھا کہ شرک اور بت پرستی کو چھوڑ دو اور ایک اللہ ہی کو معبود بناؤ۔دوسرے یہ کہ اللہ سے ڈرو اور اس کی نافرمانی اور گناہ کے کاموں سے بچو۔جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اس کے حضور جوابدہی کا احساس رکھتے ہوئے ذمہ دارانہ زندگی گزارو۔اور تیسرے یہ کہ رسول کی اطاعت کرو۔جس کا مطلب یہ تھا کہ رسول کا ہر حکم واجب الاتباع ہے۔کیونکہ اللہ کے احکام رسول ہی کے ذریعہ ملتے ہیں، اس لئے رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

حضرت نوح کی دعوت کے یہ تین نکات تھے، جن کو جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا دلائل کی قوت کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔

۵۔ یعنی اس دعوت کو قبول کرو تو اللہ تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔ایمان لانے پر کافروں کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔جیسا کہ سورۂ انفال میں ارشاد ہوا ہے:

قُلْ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَہُوْا یُغْفَرْ لَہُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔ (انفال:۳۸)

''ان لوگوں سے کہو جنہوں نے کفر کیا ہے کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ ان سے پہلے ہو چکا اس کے لئے انہیں معاف کر دیا جائیگا۔''

۶۔ یعنی اس صورت میں تم پر عذاب نہیں آئے گا، بلکہ اس وقت تک تمہیں دنیا میں مہلت ملے گی، جو اللہ نے تمہارے لئے مقرر کیا ہے۔

۷۔ یعنی اللہ نے مہلتِ عمل کی جو مدت مقرر کی ہے اس کے ختم ہونے پر کسی کو بھی مزید مہلت نہیں ملتی۔اس لئے اس مہلت کو غنیمت جانو اور اصلاح کرلو۔

۸۔ یہ اس دعوتی جدوجہد کا خلاصہ ہے، جس کے لئے حضرت نوح نے ایک طویل عرصہ تک رات دن ایک کر دئے تھے۔دعوت پیش کرنے کے لئے موزوں وقت وہی ہے جب لوگ توجہ کے ساتھ بات سن سکیں۔خواہ وہ دن کا وقت ہو یا رات کا۔

۹۔ ایک پیغمبر کی دعوت کا بھی لوگوں نے اثر قبول نہیں کیا، بلکہ الٹے اس سے متنفر ہو گئے۔کیونکہ وہ بڑے ہٹ دھرم لوگ تھے اور جہالت کی تاریکی سے نکلنا نہیں چاہتے تھے۔

۱۰۔ حضرت نوح کی دعوت کو قبول کرنے کا مطلب اپنے آپ کو اللہ کی مغفرت کا مستحق بنانا تھا۔اور اللہ کی مغفرت جس کو حاصل ہوئی یقیناً وہ نہال ہو گیا۔لیکن حضرت نوح کی قوم نے اس کی کوئی قدر نہیں کی۔

۱۱۔ یہ اس ردِ عمل کی تصویر ہے جو اس ہٹ دھرم قوم کی طرف سے ہوا۔ان کو حضرت نوح کی باتیں سننا گوارا نہیں تھا اس لئے وہ ان سے منہ چھپا لیتے۔

۱۲۔ یعنی ان کے مجمعوں کو بہ آواز بلند خطاب کیا۔

دعوت کا ایک طریقہ خطابِ عام ہے جس کے ذریعہ بیک وقت اور بہ آوازِ بلند لوگوں کے سامنے دعوت پیش کی جاتی ہے۔

۱۳۔ یعنی ان کی مجلسوں میں بھی ان کو سمجھایا اور تنہائی میں ان سے مل کر بھی۔

مطلب یہ ہے کہ فہمائش کے مختلف طریقے اختیار کئے۔ علانیہ بھی انہیں سمجھایا اور انفرادی ملاقاتوں میں بھی، تاکہ وہ کسی طرح بات سمجھنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

۱۴۔ معلوم ہوتا ہے لوگ بارش کی کمی کی وجہ سے پریشان تھے اور یہ اللہ کی طرف سے آزمائش تھی۔ تاکہ انہیں اپنی غلط روی کا احساس ہو اور وہ اللہ کی طرف لپکیں۔ حضرت نوح نے انہیں استغفار کرنے (اللہ سے معافی مانگنے) کے لئے کہا اور فرمایا کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا۔

حضرت نوح کی اس ہدایت سے واضح ہوا کہ جو قوم بھی بارش کے قحط میں مبتلا ہو اس کے لئے مقبول دعا استغفار ہے۔ یعنی وہ اپنے گناہوں کے لئے اللہ سے معافی مانگے اور اپنا رویہ درست کر لے۔

کیاتم دیکھتے نہیں کہ کس طرح اللہ نے سات
آسمان تہ بہ تہ بنائے ۔ اوران میں چاند کو نور
اورسورج کو چراغ بنایا۔(القرآن)

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ﴿۱۳﴾

۱۳ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی عظمت سے ڈرتے نہیں ہو۔ ۱۵؎

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

۱۴ حالانکہ اس نے تمہیں مختلف حالتوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔ ۱۶؎

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ﴿۱۵﴾

۱۵ کیا تم دیکھتے نہیں کہ کس طرح اللہ نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے۔ ۱۷؎

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

۱۶ اور ان میں ۱۸؎ چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا۔ ۱۹؎

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ﴿۱۷﴾

۱۷ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے خاص طریقہ پر اُگایا۔ ۲۰؎

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾

۱۸ پھر وہ تمہیں اس میں لوٹائے گا ۲۱؎۔ اور اس سے نکال کھڑا کرے گا۔ ۲۲؎

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۙ﴿۱۹﴾

۱۹ اور اللہ ہی نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔ ۲۳؎

لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۧ﴿۲۰﴾

۲۰ تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو۔ ۲۴؎

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ۚ﴿۲۱﴾

۲۱ نوح نے عرض کیا ۲۵؎۔ اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی اور ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان کے خسارہ ہی میں اضافہ کیا۔ ۲۶؎

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ﴿۲۲﴾

۲۲ اور انہوں نے بہت بڑی چال چلی۔ ۲۷؎

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ﴿۲۳﴾

۲۳ اور کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو۔ اور نہ چھوڑو وَدّ کو اور نہ سُواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نَسر کو۔ ۲۸؎

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ۬ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

۲۴ انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ اور تو ان ظالموں کی گمراہی میں ہی اضافہ فرما۔ ۲۹؎

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

۲۵ بالآخر وہ اپنے گناہ کی بنا پر غرق کئے گئے ۳۰؎۔ پھر آگ میں داخل کر دئے گئے ۳۱؎۔ تو اللہ کے مقابل میں انہوں نے کوئی مددگار نہ پایا۔ ۳۲؎

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾

۲۶ اور نوح نے دعا مانگی ۳۳؎ اے میرے رب! تو زمین پر ان کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

۲۷ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد بھی پیدا ہوگی وہ بدکار اور کافر ہی ہوگی۔ ۳۴؎

۱۵۔ 'رجا' کے اصل معنی امید کرنے کے ہیں۔ لیکن جب یہ لفظ لا (نفی) کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی خوف کے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں صراحت ہے:

الرجاء فی معنی الخوف لا یکون الا مع الجحد۔

''رجاء خوف کے معنی میں اسی صورت میں آتا ہے جب کہ وہ نفی کے ساتھ ہو۔''

۱۶۔ یعنی سوچو کہ تم کیا تھے اور تمہیں کیا بنا دیا گیا۔ حقیر پانی کی ایک بوند کو مختلف مراحل سے گزار کر تم کو ایک مکمل انسان بنایا گیا، کیا اس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ تمہارا خالق کس شان کا ہے پھر اس کی عظمت سے ڈرتے کیوں نہیں؟

۱۷۔ سات آسمانوں کے تہ بہ تہ ہونے کا مطلب سات عالموں کا وجود ہے، جن میں سے ہر ایک کا ایک آسمان ہے۔ ہمارا یہ نیلگوں آسمان اس دنیا کا آسمان ہے۔ سات آسمانوں کا علم انسان کو زمانۂ قدیم سے انبیائی ہدایت کے ذریعہ بخشا گیا ہے۔ اس لئے اس کی حیثیت مسلّمات کی ہے۔ حضرت نوح نے لوگوں کو آسمانوں کی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دی تا کہ انہیں اللہ کی عظیم الشان قدرت کا اندازہ ہو اور وہ حضرت نوح کی دعوت کی صداقت کی نشانیاں آسمان میں بھی دیکھ لیں۔

۱۸۔ چاند اور سورج آسمانِ دنیا میں ہیں اس لئے ان کو آسمانوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۱۹۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نبا نوٹ ۱۱۔

۲۰۔ یعنی جس طرح پودا زمین سے اُگتا ہے اور پھر نشو ونما پاتا ہے، اسی طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرما کر اس کی نشو ونما کی ہے۔ چنانچہ اس کا سلسلۂ تناسل پانی کی حقیر بوند سے چلتا ہے۔ اور پھر وہ اس کی ایسی نشو ونما کرتا ہے کہ وہ پروان چڑھ کر باصلاحیت انسان بن جاتا ہے۔

۲۱۔ یعنی پھر تم مر کر مٹی میں مل جاؤ گے۔

۲۲۔ یعنی قیامت کے دن وہ تم کو دوبارہ زندہ کر کے زمین سے نکالے گا۔

۲۳۔ یعنی ایسا ہموار بنایا کہ اس پر انسان کا رہنا بسنا آسان ہو گیا۔

۲۴۔ پہاڑوں میں درّے اسی مقصد سے رکھے گئے ہیں تا کہ لوگ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں پہنچ سکیں۔

۲۵۔ جب حضرت نوح نے سینکڑوں سال تک دعوت پیش کر کے حجت پوری طرح قائم کی۔ اور قوم کفر ہی پر مصر رہی تو انہوں نے اللہ کے حضور وہ فریاد کی جو آگے بیان ہوئی ہے۔

۲۶۔ مراد قوم کے وہ لیڈر ہیں، جن کو مال کی فراوانی حاصل تھی اور جو کثیر الاولاد تھے، ان چیزوں کے گھمنڈ میں وہ اللہ کے سرکش بن گئے تھے۔ ان کی ظاہری شان وشوکت سے متاثر ہو کر لوگ ان کی باتوں میں آرہے تھے اور گمراہ ہو رہے تھے۔

۲۷۔ کافروں نے حضرت نوح کے خلاف بہت بڑی سازش کی تھی۔ جس کی تفصیل اگر چہ یہاں بیان نہیں ہوئی ہے، لیکن بعد کی آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جاہلی عصبیت کو ابھارنا چاہا اور لوگوں کو شہ دی کہ نوح تمہیں اپنے معبودوں کو چھوڑنے کے لئے کہہ رہے ہیں، تا کہ لوگ برہم ہو کر نوح پر ٹوٹ پڑیں۔

۲۸۔ یہ قوم نوح کے معبودوں (بتوں) کے نام ہیں۔ ان کے معنی کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق یہ ہے کہ:

''وَدّ کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وُدّ سے ہے جس کے معنی محبت کے ہیں۔

سُواع :۔اس لفظ کا مشتق منہ کلام عرب میں نہیں ملتا۔ ممکن ہے کہ سوع سے مشتق ہو جس کے معنی زمانے کے ہیں۔

یعوق :۔ عوق سے (روکنا) مضارع کا صیغہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یعوق کے معنی روکتا ہے یعنی مصیبتوں سے روکتا ہے۔

یَغُوث :۔بھی یَعُوق کے قاعدہ سے عَلَم (اسم خاص) ہے۔

غَوث :۔(فریاد کو پہنچنا) اس کا مصدر ہے۔ یَغُوث کے معنی فریادرسی کرنا ہے۔

نَسرٌ :۔ کے لغوی معنی گدھ کے ہیں۔ اسی شکل کا ایک مجموعۂ کواکب آسمان میں ہے جس کو نسر کہتے ہیں۔نسر دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا ہے۔'' (ارض القرآن ج ۳ ص ۲۳۵، ۲۳۶)

ان ناموں میں یغوث خالص عربی لفظ ہے، جو غوث سے ہے اور جس کے معنی فریادرسی کرنے کے ہیں۔ یہ قوم نوح کے بت کا نام تھا۔لیکن مسلمانوں کے بھی ایک طبقہ نے اپنے بعض بزرگوں کو غوث کا لقب دے رکھا ہے اور انہیں حاضر و ناظر اور حاجت روا سمجھ کر مدد اور فریادرسی کے لئے پکارتے ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کی توحید پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ حالانکہ یہ کھلا شرک ہے اور شرک ایک ناقابل معافی گناہ ہے، لیکن جو مسلمان بدعات میں غرق ہیں انہیں اس کا شعور نہیں۔قومِ نوح بت پرستی میں مبتلا تھی اور یہ پیر پرستی میں مبتلا ہیں۔فریادرسی کرنے والا (غوث) اللہ کے سوا کوئی نہیں اس لئے اسی کو پکارنا برحق ہے۔کاش وہ توحید اور شرک کے فرق کو سمجھ لیتے!

قوم نوح کے بت ان کے ساتھ ہی طوفان میں غرق ہو گئے تھے اس لئے ان کا کوئی وجود باقی نہیں رہا۔کافر ڈوبے اور اپنے خداؤں کو لے ڈوبے۔

بت پرستی کا آغاز قوم نوح میں ہوا تھا۔ یہ آغاز کس طرح ہوا اس پر حضرت ابن عباس نے روشنی ڈالی ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بتوں کے یہ نام دراصل نوح کی قوم کے صالح مردوں کے نام ہیں۔ جب وہ وفات پا گئے تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ ان کے مجسمے بنائے جائیں۔ان مجسموں کی انہوں نے پرستش نہیں کی لیکن جب وہ مرگئے تو بعد کے لوگ ان مجسموں کی پرستش کرنے لگے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

گویا یہ مجسمے جو ان بزرگوں کی یادگار کے طور پر بنائے گئے تھے۔بت پرستی کا ذریعہ بن گئے۔اسی لئے اسلام نے مجسمہ سازی کو حرام قرار دیا ہے۔

۲۹۔ یہ کلمات حضرت نوح کی زبان سے اس وقت نکلے جب کہ ان کی قوم گمراہی پر جمی رہی۔

۳۰۔ یعنی پانی کا ایسا طوفان آیا کہ اس میں سب کافر غرق ہو گئے۔دنیا میں یہ سزا ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ملی۔

۳۱۔ یعنی ان کے جسم اگرچہ پانی میں غرق ہوئے لیکن ان کی روحیں آگ میں داخل ہو گئیں۔ یہ عذاب ان پر عالمِ برزخ میں ہو رہا ہے اور قیامت کے دن تو وہ جسم کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔اس آیت سے برزخ (قبر) کا عذاب ثابت ہوتا ہے۔اس موقع پر سورۂ مؤمن نوٹ ۷۱ بھی پیش نظر رہے۔

۳۲۔ جن معبودوں کو انہوں نے مددگار اور فریادرسی سمجھا تھا ان میں سے کوئی بھی ان کی مدد کے لئے نہیں پہنچا۔اس طرح اللہ کے عذاب نے ان معبودوں کا باطل ہونا ثابت کر دیا۔

۳۳۔ حضرت نوح نے یہ دعا اس وقت کی جب وہ پوری طرح حجت قائم کر چکے تھے۔اس کے بعد بھی جو لوگ کافر بنے رہے اور ان سے ایمان لانے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو انہوں نے یہ دعا کی۔سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ (ھود۔۳۶)

''اور نوح پر وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔''

۳۴۔ اگرچہ ہر بچہ فطرت (توحید) پر پیدا ہوتا ہے، لیکن جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اس کے ماں، باپ اسے یہودی، نصرانی، مجوسی اور مشرک بنادیتے ہیں۔ یعنی انسان بالعموم ماحول کا اثر قبول کرتا ہے۔ اگر وہ مشرکانہ ماحول میں رہتا ہے تو مشرک ہی بن جاتا ہے۔ اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے فطری دین پر قائم رہے اور ماحول کا اثر قبول نہ کرے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی انسان کا یہ حال ہے کہ وہ جس فرقہ میں پیدا ہوا ہے اور جو اس کا آبائی مذہب ہے اسی سے وہ وابستہ ہے۔ اور یہ عصبیت اسے خدا اور مذہب کے بارے میں کھلے ذہن سے سوچنے پر آمادہ نہیں کرتی۔

اسی لئے حضرت نوح نے یہ دعا فرمائی کہ خدایا زمین سے کافروں کا وجود ختم کردے ورنہ یہ کافر کافروں ہی کو جنم دیں گے اور ان فاجروں کی نسل بھی فاجر ہی ہوگی۔

رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا
وَّلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا
تَبَارًا ﴿۲۸﴾ ع

۲۸ اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے والدین کو ۳۵؎۔ اور ان کو جو میرے گھر میں مؤمن ہو کر داخل ہوں ۳۶؎ ۔ اور سب مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ۳۷؎۔ اور ظالموں کی ہلاکت میں اضافہ فرما۔

۳۵۔ حضرت نوح نے اس موقع پر اپنے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کی نیز اپنے والدین کے لئے بھی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونوں مؤمن تھے۔ اور اپنے مؤمن والدین کے لئے مغفرت کی دعا کرنا، ان کی وفات کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنا ہے۔ اسلام کی یہی تعلیم ہے اور حضرت نوح نے اپنے پیچھے یہی اسوہ چھوڑا ہے۔

۳۶۔ معلوم ہوتا ہے جو شخص بھی ایمان لے آتا اُسے حضرت نوح کے گھر میں پناہ لینا پڑتی، اس لئے حضرت نوح نے اس صراحت کے ساتھ دعا کی کہ جو شخص بھی میرے گھر میں مؤمن بن کر داخل ہو اس کی مغفرت فرما۔

۳۷۔ ساتھ ہی انہوں نے عمومیت کے ساتھ تمام مؤمن مردوں اور عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کی۔ حضرت نوح کی یہ دعا جو آیت ۲۶ تا ۲۸ میں بیان ہوئی ہے قوم کے غرق ہونے سے پہلے کی ہے۔ لیکن اس کا ذکر اخیر میں ہوا تا کہ واضح ہو جائے کہ وہ بالکل برمحل تھی اور جہاں کافروں کے حصہ میں عذاب آیا وہاں اہلِ ایمان کے حصہ میں مغفرت آئی۔

سورۃ الجن

۷۲۔ الجِنّ

نام اس سورہ میں جنوں کا بیان نقل ہوا ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام 'سورۃ الجن' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور سورہ احقاف سے پہلے نازل ہوئی۔ مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے دورِ اول میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون یہ واضح کرنا ہے کہ قرآن اپنے کلام الٰہی ہونے کی آپ ہی شہادت ہے۔ چنانچہ جنوں کی ایک جماعت نے اس کلام کو سنا، تو ان کا ضمیر پکار اٹھا کہ یہ کلامِ الٰہی ہے، اور وہ فوراً اس پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے شرک کو باطل قرار دیتے ہوئے توحید کو حق قرار دیا، جس کی دعوت قرآن پیش کررہا ہے۔ اسی طرح جزا و سزا اور رسالت پر بھی اپنے یقین کا اظہار کیا۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۱۵ میں جنوں کے ایک گروہ کا بیان نقل ہوا ہے، جس میں انہوں نے قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے اور اس کی دعوت کے برحق ہونے کی شہادت دی ہے۔

آیت ۱۶ تا ۱۹ میں کلام کا رخ مشرکین مکہ کی طرف پھر گیا ہے اور انہیں فہمائش کی گئی ہے۔

آیت ۲۰ تا ۲۸ میں نبی ﷺ کی زبانی، منصبِ رسالت کے تعلق سے ضروری باتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور رسول کی نافرمانی کرنے والوں کو جہنم کے عذاب سے خبردار بھی کیا گیا ہے۔

خصوصیت یہ سورہ ایسی مربوط ہے اور اس میں اس بلا کی روانی ہے کہ آخر تک آدمی اس کو مسلسل پڑھتے ہی چلا جاتا ہے۔ اس کی روانی کے سامنے دریا کی روانی بھی ہیچ ہے، جو پہاڑوں سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ قرآن کی روانی، باطل کے پرخچے اڑاتے ہوئے حق کو غالب کرتی ہے۔ پھر اس سورہ کا آہنگ ایسا ہے کہ ایک طرف وہ کانوں میں رس گھولتا ہے، تو دوسری طرف دلوں میں سوز پیدا کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اس میں غیب کے وہ اسرار پیش کئے گئے ہیں جن کو سننے کی طرف طبیعت مائل ہوجاتی ہے اور جس سے یقین پیدا ہوجاتا ہے۔

سُوْرَةُ الْجِنِّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ ﴿۱﴾
يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ ﴿۲﴾
وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ ﴿۳﴾
وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۙ ﴿۴﴾
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا ۙ ﴿۵﴾
وَّاَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ
فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ ﴿۶﴾
وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ ﴿۷﴾
وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاۗءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا
وَّشُهُبًا ۙ ﴿۸﴾
وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ
الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ ﴿۹﴾
وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ
بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ ﴿۱۰﴾

۷۲۔سُوْرَۃُ الْجِنّ

آیات: ۲۸

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ (اے نبی!) کہو میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں ۱؎ کی ایک جماعت نے (قرآن کو) سنا تو کہا: ہم نے بہت عجیب قرآن سنا ہے۔ ۲؎

۲ جو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے ۳؎۔ ہم اس پر ایمان لے آئے ۴؎۔ اور ہم ہرگز اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ۵؎

۳ اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے۔ اس نے اپنے لئے نہ کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ اولاد۔ ۶؎

۴ اور یہ کہ ہمارے نادان لوگ اللہ کے بارے میں خلافِ حق باتیں کہتے رہے ہیں۔ ۷؎

۵ اور یہ کہ ہم نے سمجھا تھا کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ۸؎

۶ اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں کے کچھ لوگوں کی پناہ مانگتے رہے ہیں۔ اس طرح انہوں نے ان کی سرکشی میں اضافہ کیا۔ ۹؎

۷ اور یہ کہ انہوں نے بھی اس طرح گمان کیا جس طرح تم نے کیا کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا۔ ۱۰؎

۸ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو دیکھا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور شہابوں سے بھر دیا گیا ہے۔ ۱۱؎

۹ اور یہ کہ ہم اس کے بعض ٹھکانوں میں سننے کے لئے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ مگر اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پاتا ہے۔ ۱۲؎

۱۰ اور یہ کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ زمین والوں پر کوئی مصیبت نازل کرنیکا فیصلہ کیا گیا ہے یا انکا رب انہیں ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے۔ ۱۳؎

۱؎ جنوں کے بارے میں متعدد مقامات پر وضاحتی نوٹ پیش کئے جا چکے ہیں۔ دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۱۹۰؎ اور ۲۳۷؎ سورۂ حجر نوٹ ۲۵؎، سورۂ احقاف نوٹ ۴۸؎، ۴۹؎۔

جنّ ایک پوشیدہ مخلوق ہیں، اس لئے ان کا تعلق غیب سے ہے۔ اور غیب کے بارے میں ہمارے جاننے کا ذریعہ صرف وحی الٰہی ہے، اس لئے کتاب وسنت کے بیان پر ہمیں اکتفاء کرنا چاہئے۔ جن لوگوں نے قیاس آرائی کرکے ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی ہیں، انہوں نے اوہام وخرافات کا دروازہ کھولا ہے۔ تعجب ہے کہ بعض علماء نے بھی جنوں کے بارے میں سنی سنائی باتوں اور بے سروپا روایتوں اور قصوں کو بلا تردید نقل کیا ہے، جن پر اعتماد کرکے لوگوں نے غلط اور غیر شرعی طور طریقے اختیار کر لئے ہیں۔ اس سلسلہ کی چند باتیں ہم یہاں مختصراً بیان کرتے ہیں:

۱) جب کوئی شخص مرگی یا دماغی عارضہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خاص طور سے جب کوئی عورت ہسٹریا کے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے، تو بجائے اس کے کہ ڈاکٹر سے اس کا علاج کرایا جائے اسے آسیب زدہ قرار دیا جاتا ہے، یعنی جن اس پر سوار ہوا ہے اور وہی اس شخص یا اس عورت کی زبان سے بول رہا ہے۔ گویا اس مرد یا عورت کا وجود بالکل معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ پھر اس جن کو اتارنے کے لئے جاہل باواؤں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور درگاہوں پر لے جایا جاتا ہے۔ اس طرح شرک اور بدعات کے ڈوس (Dose) اسے دئے جاتے ہیں نیز اس کی خوب پٹائی کی جاتی ہے۔ اور خیال یہ کیا جاتا ہے کہ اس مار پیٹ سے آسیب زدہ شخص کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ اس جن کو تکلیف ہوتی ہے جو اس پر مسلط ہوا ہے۔ اس صورت میں وہ اس شخص کا جسم چھوڑ کر بھاگ جانے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن بسا اوقات یہ سارے جتن بے کار ہو جاتے ہیں اور مریض اچھا نہیں ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ محض وہم پرستی ہے ورنہ آسیب زدگی نہ قرآن وسنت سے ثابت ہے اور نہ یہ کوئی معقول بات ہے۔ ایک شخص طبعی وجوہ کی بنا پر مریض ہے یا آسیب زدہ ہے اس کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جائے گا؟ اگر آسیب زدہ سمجھ کر اس کی پٹائی کی گئی اور حقیقۃً وہ مریض ہو تو کیا اس کی تکلیف میں اضافہ نہیں ہوگا اور اس مار پیٹ کے لئے شرعاً وجہ جواز کیا ہے؟ کیا یہ مریض پر سراسر ظلم نہیں ہے؟ یہ بات صریحاً غلط ہے کہ مار پیٹ سے آسیب زدہ شخص کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ بلکہ اس جن کو پہنچتی ہے جو اس پر مسلط ہوا ہے۔ اگر ایسا ہے تو آسیب زدہ شخص کے جسم کو کاٹنے سے خون نہیں نکلنا چاہئے۔ مگر کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ یہ اور اس قسم کے دوسرے سوالات اس کی نامعقولیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

۲) جنوں کو اپنے قبضہ میں لینے کا خیال بھی پایا جاتا ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ خصوصیت تو حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جن ان کے قبضہ میں دئے تھے۔ جن سے وہ تعمیرات وغیرہ کا کام لیتے۔ یہ اللہ کا معجزہ تھا جس کا ظہور ایک نبی کے ہاتھ پر ہوا۔

۳) ایک فاسد خیال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض جن بعض انسانی عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں اور یہ کہ ان سے اولاد بھی ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی احمقانہ بات ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تو ایک عورت جس کو ناجائز حمل ٹھہر گیا ہو، یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ ایک جن نے زبردستی میرے ساتھ مجامعت کی تھی۔ تو کیا اس کے اس بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے گا یا اس پر شرعی حد نافذ کی جائے گی؟

۴) جنوں کے بارے میں ایک تصور یہ بھی ہے کہ وہ مال چرا لے جاتے ہیں۔ اگر واقعی وہ اس قسم کا تصرف کر سکتے تو انسانی سوسائٹی میں بڑا خلل واقع ہوتا۔ کسی بھی چوری کی صورت میں یہ پتہ چلانا مشکل ہوتا کہ یہ مال جن نے چرایا ہے یا انسان نے۔ ایک پہرادار جس نے خود مال چرایا ہو یہ کہہ کر اپنے کو بری کرنے کی کوشش کر سکتا ہے کہ میں نے نہیں بلکہ جن نے مال چرایا ہے۔ کیا اس کے اس بیان کو قبول کر لیا جائے گا، اگر نہیں تو کیوں؟

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے جو اس نے شیطان سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا:

وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ۔ ''مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا۔'' (بنی اسرائیل۔ ۶۴)

یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ مال اور اولاد میں جن شریک ہوتے ہیں۔ اور اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن مال چرالے جاتے ہیں اور عورتوں سے جنسی تعلق بھی پیدا کر لیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں اولاد بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دونوں ہی باتیں بالکل لغو ہیں اور آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ مال اور اولاد میں شیطان کی شرکت کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کو آدمی غیر اللہ کی دین قرار دے کر شرک کا مرتکب ہو جائے۔ درآنحالیکہ یہ چیزیں اللہ ہی کی بخشی ہوئی ہوتی ہیں۔

۵) یہ بات بھی عوام میں مشہور ہے کہ جن غیب جانتے ہیں، لیکن یہ عقیدہ بالکل باطل ہے۔ اللہ کے سوا عالم الغیب کوئی نہیں اور قرآن نے اس بات کی سخت تردید کی ہے کہ جن غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ چنانچہ قرآن نے اس کی تردید میں حضرت سلیمان کی موت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ان کی موت کی خبر جنوں کو اس وقت ہوئی جب کہ ان کا عصا کیڑے کے کھا جانے سے گر گیا اور حضرت سلیمان بھی گر پڑے۔ قرآن اس واقعہ کو نقل کر کے کہتا ہے کہ:

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ (سبا: ۱۴)

''جب سلیمان گر پڑا تو جنوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ پڑے رہتے۔''

۲۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس سے جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ جس طرح منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ بازارِ عکاظ (جو مکہ اور طائف کے درمیان تھا) تشریف لے جا رہے تھے، کہ نخلہ کے مقام پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نمازِ فجر ادا کی۔ اس وقت جنوں کے ایک گروہ کا گزر ادھر سے ہوا تو اس نے قرأت سن لی۔ یہ گروہ آسمان میں سخت حفاظتی انتظامات اور شہابوں کے تعاقب کو دیکھ کر اس بات کی تلاش میں نکلا تھا کہ زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے، جس کی پیش بندی کے لئے حفاظتی انتظامات کر دئے گئے ہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ کی زبان سے قرآن سنتے ہی فوراً کہا کہ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں آسمان میں سن گن لینے سے روک دیا گیا ہے۔ وہ قرآن سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کی دعوتِ ایمانی کو انہوں نے فوراً قبول کر لیا اور اپنی قوم میں جا کر انہوں نے وہ باتیں کہیں جو ان آیتوں میں بیان ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی اس کی خبر دی۔ (بخاری کتاب التفسیر) ترمذی کی روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ نبی ﷺ نے جنوں کے سامنے قرآن کی تلاوت نہیں کی تھی اور نہ ان کو دیکھا تھا ((یعنی جنوں نے آپ کی قرأت اتفاقاً سن لی تھی اور آپ کو اس کی اطلاع وحی کے ذریعہ ہوئی) دیکھئے ترمذی تفسیر سورۃ الجن۔

جنوں کے اس بیان سے واضح ہے کہ وہ عربی جانتے ہیں۔ اس لئے جب انہوں نے قرآن سنا تو اس کی معجزانہ بلاغت اور دلوں کو مسخر کرنے والی باتیں انہیں عجیب معلوم ہوئیں۔ اور اس کی ان امتیازی خصوصیات کو دیکھ کر انہوں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔ اور آیت کا منشا اصلاً اسی بات کو لوگوں پر واضح کرنا ہے کہ قرآن اپنے کلامِ الٰہی ہونے کا آپ ثبوت ہے۔ حق کی طلب رکھنے والے انسان تو انسان، جن بھی اس کو سن لیتے ہیں، تو انہیں اپنے رب کے کلام کو پہچاننے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

۳۔ قرآن کی سماعت نے جنوں پر ہدایت کی راہ کھول دی۔ وہ اس بات کے معترف ہوئے کہ یہ راہ جو قرآن دکھا رہا ہے سراسر ہدایت کی راہ ہے یعنی حق کی طرف رہنمائی کرنے والی اور اللہ تک پہنچانے والی۔

۴۔ جنوں کا یہ گروہ قرآن پر ایمان لے آیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن کا نزول انس و جن دونوں کے لئے ہوا ہے، یعنی دونوں سے ایمان لانے کا مطالبہ ہے۔ چنانچہ سورۂ رحمٰن میں تو دونوں گروہوں سے براہ راست خطاب کیا گیا ہے۔ اور جب جن قرآن پر ایمان لانے کے مکلف ہیں تو پیغمبرِ قرآن پر ایمان لانا بھی ان کے لئے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے اسباب کرتا رہا کہ جن خود نبی ﷺ کے پاس پہنچ جائیں اور آپ کی زبان

سے قرآن سننے کا انہیں موقع ملے۔ اس سورہ کے علاوہ سورۂ احقاف کی آیت ۲۹ بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

۵۔ معلوم ہوا کہ جس طرح انسانوں میں شرک کا عقیدہ رکھنے والے پائے جاتے ہیں، اسی طرح جنوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جنوں کے اس گروہ نے جب قرآن کی دعوتِ توحید سنی تو شرک سے بیزاری کا اظہار کیا، اس عزم کے ساتھ کہ وہ توحید پر قائم رہیں گے اور کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

آیت سے یہ بات بھی واضح ہے کہ ہدایت کا آغاز توحید سے ہوتا ہے اور توحید شرک کی مکمل نفی ہے۔

۶۔ یعنی ہمارے رب کی شان اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے کہ اس کی بیوی اور اولاد ہو۔ اس کو مخلوق پر قیاس کرنا اس کی شان کو فروتر خیال کرنا ہے۔

۷۔ انسانوں کی طرح جنوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے اور اللہ کے بارے میں حق و عدل کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔

۸۔ یعنی ہم اس مغالطہ میں رہے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کریں گے۔ لیکن اب ہم پر واضح ہوا کہ دونوں اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے رہے ہیں اور اس جھوٹ ہی پر شرک کی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے۔

۹۔ روایتوں میں آتا ہے کہ عربوں کا کوئی قافلہ جب کسی وحشتناک جگہ پر قیام کرتا تو اس وادی کے سردار جن کی پناہ مانگتا تا کہ وہ جنوں کے شر سے انہیں محفوظ رکھے۔ یہ سراسر جاہلانہ اور مشرکانہ عقیدہ تھا۔ لیکن اس چیز نے جنوں کے احساس برتری میں اضافہ کیا اور وہ سرکش ہو گئے۔

پناہ دہندہ صرف اللہ ہے، اس لئے جنوں کی پناہ مانگنا سراسر لغو اور باطل ہے۔ مگر آج بھی کتنے ہی جاہل حضرات جنوں کی دہائی دیتے ہیں۔ عقیدہ کا یہ فساد بہت بڑا ہے جو انسان کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔

۱۰۔ ان جنوں نے اپنی قوم سے کہا کہ جس طرح تم نے خیال کر رکھا تھا کہ کوئی رسول مبعوث ہونے والا نہیں، اسی طرح مشرک انسانوں نے بھی یہی گمان کر رکھا تھا، لیکن دونوں کا گمان غلط ثابت ہوا اور اللہ نے ہدایت کی راہ دکھانے کے لئے رسول بھیجا جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔

۱۱۔ جنوں کی پرواز آسمان کی فضاء میں ہوتی ہے۔ جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تو آسمان میں فرشتوں کے سخت پہرے لگا دئے گئے اور شہابوں سے اسے بھر دیا گیا، تا کہ رسول پر جو پیغام نازل ہو اس میں نہ وہ مداخلت کر سکیں اور نہ کوئی بات اچک لے سکیں۔

۱۲۔ یعنی آسمان کی فضاء میں ہم نے ایسے ٹھکانے بنائے تھے جہاں سے ہم آسمان والوں کی باتیں سن گن لینے کی کوشش کرتے، مگر اب یہ ممکن نہیں رہا۔ اگر ہم کچھ سن گن لینے کی کوشش کرتے ہیں تو آگ کا شعلہ (شہاب) ہمارا پیچھا کرتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ شہاب آسمان میں کافی بلندی پر تاروں سے نکلنے والے شعلے ہیں جو جنوں کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۱۶۔

۱۳۔ یعنی آسمان میں ان سخت حفاظتی انتظامات کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ زمین پر کوئی انقلابی واقعہ ضرور رونما ہونے والا ہے۔ ہو سکتا ہے اہلِ زمین پر کوئی عذاب نازل کیا جانے والا ہو، یا پھر ان کے لئے ہدایت نازل کی جانے والی ہو، جس کی پیشگی خبر جنوں کو نہ ہو جائے اس لئے یہ اہتمام کیا گیا ہو۔ ان دو میں سے کون سی بات وقوع میں آنے والی ہے اس کا علم جنوں کو نہ ہو سکا۔ البتہ جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کا تردد رفع ہوا اور ان کو معلوم ہوا کہ آسمان میں یہ حفاظتی انتظامات زمین والوں کو ہدایت سے نوازنے کے لئے کئے گئے ہیں۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾

۱۱ اور یہ کہ ہم میں صالح لوگ بھی ہیں اور غیر صالح بھی۔ ہماری راہیں الگ الگ ہیں۔ ۱۴؎

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

۱۲ اور یہ کہ ہم سمجھتے تھے کہ زمین میں ہم اللہ کے قابو سے باہر نہیں جاسکتے اور نہ (آسمان میں) بھاگ کر اس کے قابو سے نکل سکتے ہیں۔ ۱۵؎

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾

۱۳ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو اس پر ایمان لے آئے۔ اور جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے گا اسے نہ کسی حق تلفی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی قسم کی زیادتی کا۔ ۱۶؎

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

۱۴ اور یہ کہ ہم میں مسلم بھی ہیں اور ظالم بھی۔ تو جنہوں نے اسلام کو اختیار کیا انہوں نے ہدایت کی راہ ڈھونڈ لی۔ ۱۷؎

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

۱۵ اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ۱۸؎

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾

۱۶ اور ۱۹؎ (مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ) اگر یہ لوگ سیدھی راہ چلتے تو ہم انہیں خوب سیراب کرتے۔ ۲۰؎

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

۱۷ تاکہ ہم اس میں ان کو آزمائیں ۲۱؎۔ اور جو اپنے رب کے ذکر سے رخ پھیرے گا ۲۲؎، اس کو وہ سخت مشقت والے عذاب میں داخل کرے گا۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

۱۸ اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ ۲۳؎

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

۱۹ اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کو پکارنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ۲۴؎

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾

۲۰ کہو میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔

قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

۲۱ کہو میں تمہارے لئے نہ کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا۔ ۲۵؎

قُلْ اِنِّىْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ڏ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾

۲۲ کہو مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچاسکے گا اور نہ میں اسکے سوا کوئی جائے پناہ پاسکوں گا۔ ۲۶؎

۱۴؎ واضح ہوا کہ جن سب بُرے نہیں ہیں۔ ان میں نیک لوگ بھی موجود ہیں۔ انسانوں کی طرح جنوں میں بھی عقیدہ وعمل کی راہیں مختلف ہیں۔ چونکہ جن بھی ایک مکلف مخلوق ہیں اور انہیں بھی امتحان گاہ میں کھڑا کر دیا گیا ہے، اس لئے انہیں بھی یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو ہدایت کی راہ اختیار کریں اور چاہیں تو گمراہی کی۔

۱۵؎ یعنی ہم یہ ضرور سمجھتے تھے کہ گو ہماری پرواز آسمانوں میں ہے، لیکن اللہ کے قابو سے ہم ہرگز باہر نہیں ہیں۔ وہ اگر ہمیں پکڑنا چاہے تو نہ زمین میں ہمیں کہیں پناہ مل سکتی ہے اور نہ ہم آسمان کی فضاء بسیط میں بھاگ کر کہیں پناہ لے سکتے ہیں۔ جنوں کے اس بیان سے ان کی اللہ کے سامنے بے بسی ظاہر ہوتی ہے اور ان کو خدائی میں جو شریک ٹھہرایا جاتا ہے اس کی تردید ہوتی ہے۔

۱۶؎ جنوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے نہ صرف اپنے ایمان لانے کا ذکر کیا، بلکہ ان کو ایمان لانے کی دعوت بھی دی اور ایمان لانے کا صلہ یہ بیان کیا کہ اس کو پورا پورا اجر ملے گا۔

۱۷؎ جنوں کے اس بیان سے اسلام کا دین حق ہونا اور روشن ہو گیا، اور واضح ہو گیا کہ مسلم صرف انسانوں ہی میں نہیں جنوں میں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح مشرک اور کافر بھی۔

ایمان لانے والے جنوں نے اپنی قوم کے سامنے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ اسلام کو پالینا ہدایت کو پالینا ہے۔

۱۸؎ بالفاظ دیگر جو دین حق (اسلام) سے برگشتہ ہیں، وہ جہنم کی سزا بھگتنے والے ہیں۔ اس طرح جزا و سزا پر انہوں نے اپنے ایمان ویقین کا اظہار کیا۔

۱۹؎ جنوں کا بیان اوپر ختم ہو گیا۔ اب اللہ تعالیٰ کا اپنا بیان شروع ہو رہا ہے۔

۲۰؎ مراد مشرکین مکہ ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اسلام کی شاہراہ پر چلتے تو انہیں وافر پانی کی نعمت سے بہرہ مند کیا جاتا۔ پانی پر ہر قسم کی پیداوار کا انحصار ہے۔ اور عرب کے صحرائی علاقہ میں تو اس کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ قرآن نے اس مقام نیز دوسرے مقامات پر بھی واضح کیا ہے کہ جو قوم راہِ ہدایت پر چلتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے وسائل رزق میں وسعت اور برکت عطا فرماتا ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۵۲۔

۲۱؎ یعنی دنیا کی نعمتوں میں آزمائش کا پہلو ضرور ہوتا ہے، کہ ان کے حاصل ہو جانے پر لوگ اللہ کے شکر گزار بنتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں۔

۲۲؎ اپنے رب کے ذکر سے رخ پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ سے بے پروا ہو جائے۔ اس کے ذکر سے کوئی دلچسپی نہ ہو اور اس کی نصیحت کو وہ خاطر میں نہ لائے۔

۲۳؎ یہاں مسجدوں سے مراد وہ عبادت گاہیں ہیں، جو اصلاً اللہ ہی کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں۔ مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ تو بدرجہ اولیٰ اس میں شامل ہیں نیز وہ تمام مسجدیں بھی جو بعد میں مسلمانوں نے بنائیں۔ علاوہ ازیں اہلِ کتاب کی عبادت گاہیں بھی، کیونکہ وہ اصلاً اللہ ہی کی عبادت کیلئے بنائی گئی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عبادت گاہیں اللہ کے لئے خاص ہیں، اس لئے ان میں اسی کی عبادت کی جانی چاہئے۔ ان میں بت پرستی اور شرک بہت بڑی مجرمانہ اور ظالمانہ حرکت ہے۔

مسجدوں کی اس حرمت کے باوجود مسلمانوں میں ایسے بدعقیدہ لوگ بھی ہیں جو مسجدوں میں غیر اللہ کو حاجت روائی اور فریاد رسی کے لئے پکارتے ہیں۔ ان کی زبانوں پر یا اللہ اور یا رب کے بجائے یا ''غوث'' اور یا ''پیر دستگیر'' ہوتا ہے۔ غیر اللہ کی دہائی کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے عقیدۂ توحید

میں کوئی خرابی نہیں آئی۔

مسجدوں میں ایک نت نئی بدعت یہ بھی رائج کی جارہی ہے کہ جس سمت کو مدینہ ہے، اس کی طرف مسجد کی دیوار پر گنبد خضراء کی تصویر آویزاں کی جائے۔ جس کی طرف رخ کر کے اور باادب کھڑے ہوکر ''یا رسول اللہ'' کہا جائے اور آپ پر درود بھیجا جائے۔ گویا قبلہ ایک نہیں دو ہیں۔ ایک نماز کے لئے قبلہ جس کا رخ حرم مکہ ہے اور دوسرا رسول ﷺ کو پکارنے اور آپ پر درود وسلام بھیجنے کے لئے، جس کا رخ مدینہ کا گنبد خضراء ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے کہ وہ اپنی مسجدوں کو شرک وبدعات سے پاک رکھیں۔

۲۴۔ آیت میں عبداللہ (اللہ کا بندہ) سے مراد نبی ﷺ ہیں۔ آپ جب مسجدِ حرام میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور صرف اللہ کو پکارتے تو مشرکین غصہ میں بھرے ہوئے آپ کے ارد گرد اس طرح جمع ہوجاتے گویا آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔

۲۵۔ یہ نبی ﷺ کو ہدایت ہوئی کہ ان سے کہدو! کہ نقصان پہنچانا یا گمراہ کرنا اور نفع پہنچانا یا ہدایت دینا، یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ میرے اختیار میں ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

۲۶۔ یعنی میں خود اللہ سے ڈرتا ہوں، کہ اگر میں نے اس کی نافرمانی کی تو اس کی سزا سے مجھے کوئی بچا نہ سکے گا اور نہ میں کوئی جائے پناہ پا سکوں گا۔ اور جب رسول ہونے کے باوجود میں اللہ سے بے خوف نہیں ہوں تو تم کس طرح اللہ سے بے خوف ہو گئے؟

میرا کام تو صرف یہ ہے کہ اللہ کی بات اوراس کے
پیغامات پہنچادوں ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی
نافرمانی کریں گے ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس
میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔(القرآن)

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

۲۳ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ اللہ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچادوں ۲۷۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ۲۸۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ
نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

۲۴ یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کا جتھا تعداد میں کم ہے۔ ۲۹۔

قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ
لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

۲۵ کہو میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کو ایک عرصہ کیلئے مؤخر کرے گا۔ ۳۰۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

۲۶ غیب کا جاننے والا وہی ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ
مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

۲۷ سوائے اس کے جسے اس نے رسول کی حیثیت سے پسند فرمالیا ہو ۳۱، تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے۔ ۳۲۔

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ
وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

۲۸ تا کہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ۳۳۔ اور وہ ان کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔ ۳۴۔

۲۷۔ یعنی رسول کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت دے۔ بلکہ اس کے سپرد جو کام ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو بات بھی ہو اور اس کے جو پیغامات ہوں، ان کو وہ لوگوں تک پہنچا دے اس کے بعد لوگوں کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کو قبول کریں۔

بلاغ (بات پہنچانا) میں عمومیت ہے۔ یعنی جو بات بھی اللہ کی طرف سے ہو پہنچا دی جائے۔ اور رسالات (پیغامات) خاص ہے جس سے مراد کلام الٰہی ہے۔

۲۸۔ یعنی جو اللہ کے پیغامات کو قبول نہیں کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان بن کر رہیں ان کے لئے ہمیشگی کی جہنم کی سزا ہے۔

۲۹۔ یعنی مشرکین مکہ کو اس بات پر فخر ہے کہ ان کے مددگار طاقتور ہیں اور ان کا جتھا بڑا ہے۔ اور ان کے مقابل رسول کے مددگار کمزور لوگ ہیں اور آپ کے ساتھیوں کی تعداد بھی تھوڑی ہے۔

لیکن جب اللہ کا عذاب آئے گا تو ان مشرکین کو پتہ چلے گا کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ اب سرے سے ان کا کوئی مددگار رہی نہیں اور نہ ان کے جتھے کا کوئی وجود ہے۔

۳۰۔ یعنی رسول کو جھٹلانے کی صورت میں جس دنیوی عذاب کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ لازماً پورا ہو کر رہے گا۔ رہی یہ بات کہ وہ کب پورا ہوگا تو اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ عنقریب یہ وعدہ وقوع میں آنے والا ہے یا کچھ عرصہ بعد۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۷۵۔

۳۱۔ یعنی رسول کو فریضۂ رسالت کی ادائیگی کیلئے جس قدر غیب کی باتوں پر مطلع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس پر کھول دی جاتی ہیں۔ اس سے زیادہ رسول کو بھی غیب کا علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ رسول کو یہ نہیں معلوم کہ اس کے مخالفین پر عذاب کب آئے گا اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی۔

رسول کو جس قدر علم غیب بخشا جاتا ہے اس کی حقیقت اس آیت سے بالکل واضح ہے۔ پھر بھی مسلمانوں کے ایک طبقہ نے غلو میں مبتلا ہو کر نبی کریم ﷺ کے بارے میں علم غیب کی بحث چھیڑ رکھی ہے۔ گویا آپ کو تمام جزئیات و کلیات کا علم تھا اور آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں کہ ہر ایک کی پکار سنتے ہیں اور ہر ایک کے ظاہری و باطنی احوال سے واقف ہیں۔ اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ علم غیب عطائی (وہبی) تھا یعنی اللہ کا بخشا ہوا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خدائی بخش دی تھی۔ کیسا مشرکانہ تصور ہے یہ، لیکن ان کے عقیدۂ توحید پر اس سے کوئی حرف نہیں آتا!

۳۲۔ یعنی رسول کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے مقرر کر دیتا ہے، تاکہ غیب کی باتیں (پیغامات) ٹھیک ٹھیک رسول تک پہنچ جائیں اور شیطان کو ان میں دخل اندازی کا موقع نہ ملے۔

۳۳۔ اور رسول کی حفاظت کا یہ انتظام اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ رسول، اللہ کے پیغامات بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول کو غیب کی جن باتوں سے مطلع کیا جاتا ہے ان کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا جاتا ہے، تاکہ پیغمبر کے سینہ میں وہ محفوظ رہے اور شیطان اس میں وسوسہ اندازی نہ کر سکے اور پیغمبر ان پیغامات کو من و عن لوگوں تک پہنچائے۔ اس اہتمام کے ساتھ اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ رسول نے اللہ کے پیغامات لوگوں تک بے کم و کاست پہنچا دئے۔

۳۴۔ یعنی اللہ رسولوں کے احوال کو بخوبی جانتا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔ اس لئے اس بات کا کوئی احتمال نہیں ہے کہ رسول اس کے پیغامات پہنچانے میں کوئی کوتاہی یا کسی قسم کی کمی بیشی کرے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ فوراً اس پر گرفت کرے گا۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ رسول، اللہ کی طرف سے جو کچھ کہے اسے وہ اس اطمینان اور یقین کے ساتھ قبول کریں کہ یہ اللہ کی فرمودہ باتیں ہیں، جو اس کے رسول نے بے کم و کاست ہم تک پہنچا دی ہیں۔

سورۃ
المزمل

۷۳۔ المُزَّمِّل

نام سورہ کے آغاز میں نبی ﷺ کو **المُزَّمِّل** (چادر میں لپٹنے والے) فرما کر خطاب کیا گیا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام '**المُزَّمِّل**' ہے۔

زمانۂ نزول مکہ کے دورِاوّل میں اس وقت نازل ہوئی جب آپ کی مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔البتہ آخری آیت ایک عرصہ بعد جب پنجوقتہ نماز کا حکم آ چکا تھا نازل ہوئی۔

مرکزی مضمون مقامِ رسالت کی گراں بار ذمہ داریوں کے پیش نظر نبی ﷺ کو قیام لیل (رات کو اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جانے) کی ہدایت اور رسول کا انکار کرنے والوں کو تنبیہ۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۹ میں نبی ﷺ کو قیام لیل کی ہدایت دی گئی ہے۔اور تربیتِ نفس کے پہلو سے اس کی جوافادیت ہے اس کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

آیت ۱۰ تا ۱۴ میں آپ کو مخالفین کی باتوں پر صبر کی تلقین کرتے ہوئے ان کے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۱۵ تا ۱۹ میں کفارِ مکہ کو خبردار کیا گیا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا تھا، جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا، تو دیکھ لو فرعون نے جب رسول کی نافرنی کی تو اس کا کیا انجام ہوا۔اور تم کفر کرکے آخرت کے عذاب سے کس طرح بچ سکو گے ؟

آیت ۲۰ میں قیام لیل کے اس حکم میں جو ابتدائی آیات میں دیا گیا تھا، حالات کے پیش نظر تخفیف کر دی گئی۔اور فرض نمازوں کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہدایت کی گئی۔

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ ﴿۱﴾

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ ﴿۲﴾

نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ ﴿۳﴾

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ ﴿۴﴾

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۭ ﴿۶﴾

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۭ ﴿۷﴾

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۭ ﴿۸﴾

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾

وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ ﴿۱۲﴾

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۤ ﴿۱۳﴾

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

۷۳۔ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ

آیات : ۲۰

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ اے چادر میں لپٹنے والے! ۱؎

۲ رات کو (نماز میں) قیام کرو بجز تھوڑے حصہ کے۔ ۲؎

۳ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کردو۔ ۳؎

۴ یا اس سے کچھ زیادہ کرلو ۴؎۔ اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ (یعنی صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر) پڑھو ۵؎۔

۵ ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ ۶؎

۶ واقعی رات کا اٹھنا نفس کو زیر کرنے کے لئے نہایت مؤثر اور قول کو زیادہ درست رکھنے والا ہے۔ ۷؎

۷ دن میں تمہارے لئے طویل مصروفیتیں ہیں۔ ۸؎

۸ اپنے رب کے نام کا ذکر کرو ۹؎۔ اور سب سے بے تعلق ہو کر اسی کے ہو رہو۔ ۱۰؎

۹ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنالو۔ ۱۱؎

۱۰ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو۔ اور ان کو خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دو۔ ۱۲؎

۱۱ اور ان جھٹلانے والے خوشحال لوگوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ اور انہیں تھوڑی مہلت دے دو۔

۱۲ ہمارے پاس ان کے لئے بیڑیاں اور جہنم کی آگ ہے۔

۱۳ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور دردناک عذاب۔

۱۴ اس دن زمین اور پہاڑ لرز اٹھیں گے ۱۳؎۔ اور پہاڑ بکھری ہوئی ریت بن جائیں گے۔

ا۔ اس سورہ کے نزول کے وقت نبی ﷺ چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔اس لئے آپ کو **المُزَّمِّل** کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، جو بڑا پیار بھرا خطاب ہے، اور جس میں آپ کی قلبی تسکین کا سامان بھی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کے رب نے آپ کو خلعتِ نبوت سے نوازا ہے۔لہٰذا اس کے شکر کے طور پر آپ قیام لیل کا اہتمام کریں۔اور قرآن کی یہ شانِ بلاغت ہے کہ وہ ظاہر سے باطن کی طرف متوجہ کرتا ہے۔جس کی مثال سورۂ اعراف کی آیت ۲۶ ہے جس میں لباس کا جب ذکر ہوا تو لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ فرما کر تقویٰ کے لباس کی طرف متوجہ کیا گیا، تاکہ انسان ظاہری لباس کے ساتھ باطنی لباس سے بھی اپنے آپ کو آراستہ کرے۔

۲۔ یعنی پوری رات بجز تھوڑے حصہ کے عبادت (نماز) میں گزارو۔تھوڑے حصہ سے مراد رات کا ایک تہائی حصہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ رات کے ایک تہائی حصہ میں آرام کرو اور دو تہائی حصے عبادت میں گزارو چنانچہ آیت ۲۰ میں بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ دو تہائی رات عبادت میں گزارتے تھے۔

اس طویل قیامِ لیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رات کی ان نمازوں کے لئے رکعتوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے، جو شخص جتنی رکعتیں پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔البتہ یہ مطالبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے بھی نہیں کیا کہ وہ پوری رات عبادت میں گزارے اور آرام اس کے کسی حصہ میں بھی نہ کرے۔اور رسول اللہ ﷺ کا عمل جیسا کہ آخری آیت سے واضح ہے اس زمانہ میں دو تہائی شب یا اس سے کم وقت عبادت میں مشغول رہنے کا رہا۔لہٰذا جن بزرگانِ دین کی مثالیں قیامِ لیل کے تعلق سے پیش کی جاتی ہیں کہ وہ پوری رات عبادت میں گزارتے تھے وہ ان کی شدت تھی، جس کا حکم نہ شریعت نے دیا ہے اور نہ وہ لوگوں کے لئے کوئی مثالی چیز ہو سکتی ہے۔

۳۔ یعنی نصف شب قیام کرو یا اس سے کم یعنی ایک تہائی رات۔

۴۔ یا نصف سے زیادہ یعنی دو تہائی رات قیام کرو۔

ان احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو قیامِ لیل کا جو حکم آغاز میں دیا گیا تھا اس میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ آپ کم از کم ایک تہائی رات اور زیادہ سے زیادہ دو تہائی رات نماز میں گزاریں۔

۵۔ ترتیل کے معنی مفرداتِ راغب میں اس طرح بیان ہوئے ہیں:

والترتیل ارسال الکلمۃ من الفم بسھولۃ واستقامۃ۔ (ص ۱۸۶)

''ترتیل یہ ہے کہ زبان سے کلمات بسہولت اور درست طریقہ پر ادا کئے جائیں۔''

اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ صاف صاف ادا کئے جائیں، قرأت آیتوں پر وقف کرتے ہوئے اس طرح کی جائے کہ اس کا حسن نمایاں ہو اور اس کے اثرات پڑھنے والے کے قلب و ذہن پر مرتب ہوں۔

ترتیل نہ تو یہ ہے کہ قرآن کو گا گا کر پڑھا جائے اور فنی مہارت کا مظاہرہ کیا جائے اور نہ یہ ہے کہ اس کو پڑھنے کی رفتار ایسی سست ہو کہ اس کلام میں دریا کی سی جو روانی ہے وہ ظاہر نہ ہو سکے۔

بعض حفاظ تراویح میں قرآن کو اس تیزی کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ سننے والوں کے کچھ پلے نہیں پڑتا اور کلام الٰہی کا وقار متاثر ہو جاتا ہے۔ان کی یہ قرأت ترتیل کے صریح خلاف ہوتی ہے اور وہ صرف بوجھ اُتارنے کا کام کرتے ہیں۔

قرآن کی قرأت تو اس انداز سے ہونی چاہئے کہ اس سے خشیت اور رقت پیدا ہو، مگر موجودہ زمانہ کے قاری حضرات عام طور سے اپنی خوش الحانی

کا مظاہرہ کرتے ہیں جو تکلف سے خالی نہیں ہوتا ہے۔

۶۔ قولاً ثقیلاً (بھاری بات) سے مراد جہاد کا حکم ہے جو یقیناً ایک ذمہ داری ہے۔آیت کا مطلب یہ ہے قبل اس کے کہ جہاد کی عظیم ذمہ داریاں آپ پر آ پڑیں آپ رات کی عبادت گزاری میں زیادہ مشغول رہیں، کہ جہاد کی مصروفیات رات کے طویل قیام میں مانع ہوں گی۔

۷۔ ناشئۃ اللیل (رات کا اٹھنا) کا مطلب رات کو نیند سے بیدار ہوجانا اور آرام کو چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑے ہوجانا ہے۔اس وقت آرام کو قربان کرنا نفس پر گراں ہوتا ہے۔لیکن جب ایک مؤمن عبادتِ الٰہی کے لئے اٹھنے کی ہمت کرتا ہے تو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا نفس زیر ہوجاتا ہے۔اور نفس پر قابو پالینے کے بعد دین کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا آسان ہوجاتا ہے۔اس کا دوسرا اہم ترین فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ قول کو زیادہ درست رکھنے والا ہے۔رات کا وقت چونکہ سکون کا ہوتا ہے اس لئے یہ فہم قرآن اور غور و فکر کے لئے نہایت موزوں وقت ہوتا ہے۔اس وقت جو کلمات زبان سے نکلیں گے خواہ وہ قرآن کی آیات ہوں یا دعا اور اذکار، وہ دل کی گہرائیوں سے نکلیں گے اس لئے ان کی ادائیگی پختگی کے ساتھ ہوگی۔

۸۔ نبی ﷺ کی مصروفیتیں مکہ میں بھی بہت زیادہ تھیں۔دعوت و تبلیغ کی مصروفیات کے علاوہ اپنے ساتھیوں کو قرآن کی سورتیں حفظ کرانے اور ان کی تربیت کرنے میں بھی آپ کو مشغول رہنا پڑتا تھا۔اس لئے رات کا وقت ہی طویل قیام کے لئے موزوں ہوسکتا تھا۔

۹۔ رب کے نام کا ذکر کرنے میں دل کے ساتھ زبان کا ذکر بھی شامل ہے۔زبان سے جب اللہ کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی یاد دل میں رچ بس جاتی ہے اس لئے ذکرِ لسانی کی بھی دین میں بڑی اہمیت ہے۔

۱۰۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخلوق سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا سے تعلق کی جو نوعیت ہے اور اس کا جو دائرہ ہے وہ اسی کے لئے خاص ہونا چاہئے۔مثلاً اسی کو حاجت روا سمجھ کر اپنی حاجتیں اس کے سامنے پیش کرو، اسی کو ماویٰ و ملجا سمجھ کر اس کی طرف رجوع کرو، فریاد رسی کے لئے اسی کو پکارو، اس کو معبود مان کر اسی کی عبادت کرو، اسی کے نام کی تسبیح کرو۔اور اسی سے امید وابستہ کرو۔

۱۱۔ یعنی اپنے تمام معاملات اس کے سپرد کردو اور یقین رکھو کہ کارسازِ حقیقی وہی ہے۔دوسرا کوئی نہیں جو تمہارے کام بنا سکے۔

انسان کسی کام کا ارادہ کرے اور کیسا ہی شاندار منصوبہ بنائے اس کی تکمیل اور اس کو کامیابی کی منزل تک پہنچانا اللہ ہی کا کام ہے ورنہ باوجود کوششوں کے کام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔اس کا تجربہ روزمرہ کی زندگی میں انسان کو ہوتا رہتا ہے۔

۱۲۔ یعنی مخالفین کی اذیت دہ باتوں پر صبر کرو اور ان سے الجھے بغیر اور جھنجھلاہٹ کا اظہار کئے بغیر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

۱۳۔ یعنی شدید زلزلہ سے ہلا دیئے جائیں گے۔

یہ ایک یاددہانی (قرآن) ہے، تو جو
چاہے اپنے رب کی طرف جانے کی راہ
اختیار کر لے۔ (القرآن)

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
رَسُولًا ﴿١٥﴾
فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ﴿١٦﴾
فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ
شِيبًا ﴿١٧﴾
السَّمَآءُ مُنفَطِرٌۢ بِهِۦ ۚ كَانَ وَعْدُهُۥ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾
إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَآءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ
سَبِيلًا ﴿١٩﴾
إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ الَّيْلِ
وَنِصْفَهُۥ وَثُلُثَهُۥ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ
يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْءَانِ ۚ عَلِمَ أَن
سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَءَاخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ
يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَءَاخَرُونَ يُقَٰتِلُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ
وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا
لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا
وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

[١٥] ہم نے تم لوگوں کی طرف ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے ١٤؎ جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

[١٦] تو فرعون نے رسول کی نافرمانی کی۔ بالآخر ہم نے اس کو سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔

[١٧] اگر تم نے کفر کیا تو اس دن (کی سختی) سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ ١٥؎

[١٨] آسمان اس (دن کی سختی) سے پھٹ پڑے گا۔ اس کا وعدہ (کہ قیامت برپا ہوگی) پورا ہو کر رہے گا۔

[١٩] یہ ایک یاددہانی ہے ١٦؎ تو جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے کی راہ اختیار کر لے۔ ١٧؎

[٢٠] (اے نبی!) تمہارا رب جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب یا نصف شب یا ایک تہائی شب (نماز میں) کھڑے ہوتے ہو ١٨؎۔ اور تمہارے ساتھیوں میں سے ایک گروہ بھی ١٩؎۔ اللہ ہی رات اور دن کے اوقات مقرر کرتا ہے ٢٠؎۔ اسے معلوم ہے کہ تم اس کا ٹھیک ٹھیک شمار نہیں کر سکتے ٢١؎۔ لہٰذا اس نے تم پر عنایت کی تو جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو ٢٢؎۔ اسے معلوم ہے کہ تم میں کچھ مریض ہوں گے اور ایسے بھی جو اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کریں گے اور ایسے بھی جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے، تو جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو ٢٣؎۔ اور نماز قائم کرو ٢٤؎۔ زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دو ٢٥؎۔ جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے تم اللہ کے یہاں موجود پاؤ گے ٢٦؎۔ وہ بہتر اور اجر میں بڑھ کر ہوگی۔ اللہ سے استغفار کرو ٢٧؎۔ وہ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۱۴۔ شاھد (گواہ) بنا کر بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین کی گواہی دے۔ یہ بات سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳ میں بھی ارشاد ہوئی ہے اور سورۂ حج کی آخری آیت میں بھی، اور سیاق وسباق (Context) کے لحاظ سے اس کے یہ معنی بالکل واضح ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے دین میں شرک و بدعات کی آمیزش کی ہے وہ اس کے معنی حاضر و ناظر کرتے ہیں تا کہ ان کے اس باطل عقیدہ کی تائید ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور ہر شخص کو دیکھ رہے ہیں اور اس کے احوال سے واقف ہیں۔ جبکہ یہ عقیدہ اللہ کے سوا کسی کے بارے میں رکھا نہیں جا سکتا۔

اگر لغت میں شاہد کے معنی گواہ حاضر کے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاق وسباق کو نظر انداز کر کے اس کے معنی حاضر و ناظر کے لئے جائیں، جب کہ حاضر و ناظر کے الفاظ خاص معنی میں بولے جاتے ہیں۔ سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیم کا ارشاد نقل ہوا ہے۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ (انبیاء:۵۶)

''ابراہیم نے کہا نہیں بلکہ واقعی تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور اس پر میں تمہارے سامنے گواہ ہوں۔''

ظاہر ہے **من الشاهدين** کے معنی گواہی دینے والے کے ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ حاضر و ناظر ہونے کے۔

سورۂ حج میں فرمایا:

لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ۔ (حج:۷۸)

''تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔''

اگر یہاں معنی ''رسول تم پر گواہ ہو'' کے بجائے ''رسول تم پر حاضر و ناظر ہو'' کئے جائیں تو ''تم لوگوں پر گواہ ہو'' کے بجائے ''تم لوگوں پر حاضر و ناظر ہو'' کرنا پڑیں گے۔ اس طرح تمام اہل ایمان کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا، کتنے غلط معنی ہیں جو قرآن کی آیت کے لئے جا رہے ہیں۔ یہود اپنی کتاب کے کلمات کو اسی طرح الٹے سیدھے معنی پہناتے تھے جن کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (مائدہ:۱۳)

''وہ کلمات کو ان کی اصل جگہ سے پھیر دیتے ہیں۔''

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ احزاب نوٹ ۹۹۔

۱۵۔ صاحب کشاف کہتے ہیں ''یہ شدت کی مثال ہے۔ سخت مصیبت کے دن کے لئے کہا جاتا ہے **یوم یُشیب نواصی الاطفال** یعنی یہ ایسا دن ہے جو بچوں کی پیشانیوں کے بال سفید کر دے گا۔'' (تفسیر کشاف ج ۵ ص ۱۷۸)

گویا دن کا بچوں کو بوڑھا بنا دینا عربی کا محاورہ ہے اس کے معنی ہیں کہ وہ دن سخت مصیبت کا ہوگا۔

۱۶۔ یعنی قرآن یاد دہانی اور نصیحت ہے۔

۱۷۔ واضح ہوا کہ قرآن کی نصیحت قبول کر کے ہی آدمی اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس تک پہنچنے کی واحد راہ وہی ہے جو قرآن بتا رہا ہے۔

۱۸۔ یہ آخری آیت بھی مکی ہی ہے۔ لیکن اوپر کی آیتوں کے نازل ہو جانے کے ایک عرصہ بعد نازل ہوئی اور اس میں قیام لیل کے حکم میں تخفیف کر دی گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل کا جو حکم آغازِ سورہ میں دیا گیا تھا اس کے مطابق آپ عمل کر رہے تھے۔ اس فقرہ میں آپ کی اس تعمیل کا ذکر ہوا ہے کہ آپ

کبھی قریب دو تہائی شب عبادت میں گزار دیتے ہیں اور کبھی نصف شب اور کبھی ایک تہائی شب۔

۱۹۔ قیام لیل کا تاکیدی حکم نبی ﷺ کیلئے تھا۔لیکن آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے ایک گروہ اپنے شوق عبادت کی بنا پر رات کی اس نماز میں شریک ہو جایا کرتا تھا اور غالباً یہ نماز مسجد حرام میں ادا کی جاتی تھی۔اس نماز میں صحابہ کرام کے ایک گروہ کے شامل ہونے سے یہ بات نکلتی ہے۔کہ یہ نماز ان پر واجب نہیں تھی، بلکہ ان کے حق میں نفل تھی۔اگر ان پر واجب ہوتی تو تمام صحابہ اس میں شریک ہوتے۔

۲۰۔ یعنی رات کا کبھی چھوٹا اور کبھی بڑا ہونا اور اسی طرح دن کے اوقات کا گھٹنا اور بڑھنا سب اللہ کے بنائے ہوئے نظام الاوقات کے مطابق ہوتا ہے۔کسی کے اختیار میں نہیں کہ رات کو چھوٹا بنائے اور دن کو بڑا یا دن کو چھوٹا بنائے اور رات کو بڑا۔

۲۱۔ اس زمانہ میں گھڑیاں نہیں تھیں،اس لئے یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ ٹھیک نصف شب کب ہوتی ہے اور شب کا آخری ایک تہائی حصہ ٹھیک کس وقت شروع ہو رہا ہے۔گھڑی اور الارم کی غیر موجودگی میں وقت کا صحیح اندازہ لگانا اور نیند سے ٹھیک وقت پر بیدار ہونا مشکل تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے پیروانِ رسول کو اس مشقت میں نہیں ڈالا اور آسان حکم دیا جو آگے بیان ہوا ہے۔

۲۲۔ قرآن پڑھنا نماز کا اہم ترین جزء ہے۔اس لئے یہاں جیسا کہ سیاق کلام سے واضح ہے قرأتِ قرآن سے مراد نماز ہے۔مطلب یہ ہے کہ رات کی یہ نماز (تہجد) آسانی کے ساتھ جتنی پڑھ سکتے ہو پڑھو۔نصب شب یا اس سے کم و بیش قیام کرنا واجب نہیں۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کے قیام لیل (رات کی نفل نمازوں) کے لئے رکعتوں کی تعداد کی کوئی قید نہیں نہ رمضان میں نہ دوسرے مہینوں میں البتہ نبی ﷺ کا عمل جو آپ کے آخری دور میں رہا وہ یہ تھا کہ آپ آٹھ رکعتیں حسن و خوبی کے ساتھ ادا فرماتے،جن میں طویل قرأت ہوتی اور رکوع اور سجدے بھی طویل ہوتے۔

سورۂ بقرہ،سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء جیسی طویل سورتیں آپ ﷺ نماز میں پڑھتے۔حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ:

''آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے آپ چار رکعتیں اس طرح پڑھتے کہ ان کی حسن ادائیگی اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو۔پھر آپ چار رکعت پڑھتے جن کی حسن ادائیگی اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو۔پھر آپ تین رکعتیں (وتر کی) پڑھتے۔''

(بخاری کتاب صلوٰۃ التراویح)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان بھی ہے کہ:

''آپ ﷺ رات کے اول حصہ میں سو جاتے اور آخر شب میں اٹھتے اور نماز پڑھتے۔''

(بخاری ابواب التہجد)

رات کی یہ نفل نمازیں دو دو رکعتوں کی صورت میں جتنی تعداد میں چاہیں ادا کی جاسکتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا:

''رات کی نماز کس طرح ادا کی جائے؟ فرمایا مثنیٰ مثنیٰ یعنی دو دو رکعتوں کی صورت میں۔پھر جب صبح ہو جانے کا خدشہ ہو تو ایک رکعت وتر پڑھو۔''

(بخاری ابواب التہجد)

اگر کوئی شخص رات کو نفل نماز (تہجد) نہ پڑھ سکے تو قرآن کی جتنی آیتیں آسانی سے پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جس نے رات کے وقت سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیں،تو وہ اس کے لئے کافی ہوں گی۔'' (بخاری کتاب فضائل القرآن)

۲۳۔ اس آیت میں ان حالات کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے، جو آئندہ پیش آنے والے تھے۔جن کی رعایت کرتے ہوئے قیام اللیل کے حکم میں تخفیف کردی گئی۔ کچھ لوگ مریض ہوں گے تو کچھ تجارتی سفر کریں گے اور ایسے بھی جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ان سب صورتوں میں طویل قیامِ لیل مشقت میں ڈالنے والا ہوگا۔اس لئے یہ آسانی پیدا کردی گئی کہ جس قدر قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھو اور جتنی نفل نمازیں آسانی سے پڑھی جاسکتی ہیں پڑھو۔

۲۴۔ یعنی فرض نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرو۔

۲۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حدید نوٹ ۲۱۔

۲۶۔ یعنی جو نیکی بھی تم آخرت کو نصب العین بنا کر کروگے وہ تمہارا محفوظ سرمایہ ہوگا جو آخرت میں تمہیں ملے گا۔

۲۷۔ یہ اس بات کی ترغیب ہے کے نیک عمل کرتے ہوئے اپنے گناہوں اور قصوروں کا احساس ہونا چاہئے اور اس کے لئے اللہ سے معافی مانگتے رہنا چاہئے۔حدیث میں بھی کثرت سے استغفار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔